45

ہفت روزہ

ندائے خلافت

لاہور

13 تا 19 دسمبر 2007ء / 2 تا 8 ذوالحجہ 1428ھ

www.tanzeem.org

تنظیم اسلامی

اس شمارے میں

اسلام کا سیاسی نظام

کامیابی کا قرآنی تصور اور حیاتِ صحابہؓ

میڈیا کی آزادی؟

قربانی

ڈسپلن

اسلام اور سیکولرازم کی کشمکش

کریڈٹ کارڈ: ایک معصوم دشمن

سقوطِ مشرقی پاکستان کے اسباب

انسانی حقوق کا چارٹر اسلام نے نافذ کیا

عالمِ اسلام

فلسفۂ قربانی

آنحضور ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ ''یارسول اللہ! ان قربانیوں کی نوعیت کیا ہے؟'' تو جواباً آپؐ نے ارشاد فرمایا: ''یہ تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سنّت ہے!'' — گویا بھیڑوں، بکریوں، گایوں اور اونٹوں کی قربانی اصلاً علامت کی حیثیت رکھتی ہے اطاعت و فرماں برداری اور تسلیم و انقیاد اور اس پر مداومت اور استقامت کی اس روح کے لئے جو حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی پوری شخصیت میں رچی بسی ہوئی تھی اور ان کی پوری زندگی میں جاری وساری رہی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم میں متنبہ فرمادیا گیا تھا کہ:

''اللہ تک نہیں پہنچتا ان قربانیوں کا گوشت یا خون، ہاں اس تک رسائی ہے تمہارے تقویٰ کی۔''

یہ دوسری بات ہے کہ جس طرح ہم نے دین کے دوسرے تمام حقائق کو محض رسموں میں تبدیل کر کے رکھ دیا ہے، اسی طرح قربانی کی روح بھی آج نام نہاد مسلمانوں کی ایک عظیم اکثریت کے عمل ہی سے نہیں وہم وخیال سے بھی غائب ہو چکی ہے۔ اور اب اس کی حیثیت بعض کے نزدیک محض ایک رسم کی ہے اور اکثر کے نزدیک اس سے بھی بڑھ کر ایک قومی تہوار کی۔ یہی وجہ ہے کہ اگرچہ ہر سال بیس لاکھ سے بھی زائد کلمہ گو حج کرتے ہیں اور بلا مبالغہ کروڑوں کی تعداد میں جانوروں کی قربانی دی جاتی ہے، لیکن وہ روحِ تقویٰ کہیں نظر نہیں آتی جس کی رسائی اللہ تک ہے۔ بقول علامہ اقبال مرحوم۔

رگوں میں وہ لہو باقی نہیں ہے — وہ دل، وہ آرزو باقی نہیں ہے
نماز و روزہ و قربانی و حج — یہ سب باقی ہیں، تُو باقی نہیں ہے!

کاش کہ ہم جرأت کے ساتھ موجودہ صورتحال کا صحیح تجزیہ کر سکیں اور اصل روحِ قربانی کو اپنی شخصیتوں میں جذب کرنے پر کمر ہمت کس لیں، اور عید قربان پر جب اللہ کے لئے ایک بکرا یا دنبہ ذبح کریں تو ساتھ ہی عزمِ مصمم کر لیں کہ اپنا تن، من، دھن اس کی رضا پر قربان کر دیں گے۔

عیدالاضحیٰ اور فلسفۂ قربانی

ڈاکٹر اسرار احمد

الھدیٰ (301)

سورۃ الانعام
(آیات: 71تا73)

ڈاکٹر اسرار احمد

بسم اللہ الرحمٰن الرَّحیم

﴿قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا وَنُرَدُّ عَلٰٓى اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ كَالَّذِى اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِيْنُ فِى الْاَرْضِ حَيْرَانَ ۖ لَهٗٓ اَصْحٰبٌ يَّدْعُوْنَهٗٓ اِلَى الْهُدَى ائْتِنَا ؕ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَاَنْ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوْهُ ؕ وَهُوَ الَّذِىْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝ وَهُوَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ وَيَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ ؕ قَوْلُهُ الْحَقُّ ؕ وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِى الصُّوْرِ ؕ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ؕ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ۝﴾

''کہو کیا ہم اللہ کے سوا ایسی چیز کو پکاریں جو نہ ہمارا بھلا کر سکے نہ بُرا۔ اور جب ہم کو اللہ نے سیدھا رستہ دکھا دیا تو (کیا) ہم اُلٹے پاؤں پھر جائیں؟ (پھر ہماری ایسی مثال ہو) جیسے کسی کو جنات نے جنگل میں بھلا دیا ہو (اور وہ) حیران (ہو رہا ہو) اور اُس کے کچھ رفیق ہوں جو اُس کو رستے کی طرف بلائیں کہ ہمارے پاس چلا آ۔ کہہ دو کہ رستہ تو وہی ہے جو اللہ نے بتایا ہے اور ہمیں تو یہ حکم ملا ہے کہ ہم اللہ رب العالمین کے فرمانبردار ہوں۔ اور یہ (بھی) کہ نماز پڑھتے رہو اور اس سے ڈرتے رہو۔ اور وہی تو ہے جس کے پاس تم جمع کیے جاؤ گے۔ اور وہی تو ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو تدبیر سے پیدا کیا ہے۔ اور جس دن وہ فرمائے گا کہ ہو جا تو (حشر برپا) ہو جائے گا۔ اس کا ارشاد برحق ہے۔ اور جس دن صُور پھونکا جائے گا۔ (اُس دن) اُسی کی بادشاہت ہوگی۔ وہی پوشیدہ اور ظاہر (سب) کا جاننے والا ہے اور وہی دانا اور خبردار ہے۔''

اے پیغمبر ﷺ ان سے کہئے کیا ہم اللہ کو چھوڑ کر اُن چیزوں کو پکاریں جو نہ تو ہمیں نفع پہنچا سکتی ہیں نہ نقصان۔ یہ بُت تمہیں کیا فائدہ دیں گے اور کیا نقصان پہنچائیں گے؟ یہ تو خود اپنی حفاظت بھی نہیں کر سکتے۔ غور تو کرو، تم کس کے سامنے سجدہ کرتے اور ماتھا ٹیکتے ہو۔ اس کائنات کے اندر کوئی نہیں جو خیر پر قدرت رکھتا ہو یا شر پر۔ ہر طرح کا نفع اور نقصان اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اسی یقین کا نام توحید ہے۔ **لاحول ولا قوۃ الا باللہ** ۔ یعنی گناہ سے باز آنا اور اطاعت کا بجالانا اللہ کی مدد اور توفیق کے بغیر ممکن نہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عباس کو مخاطب کر کے فرمایا: اے نوجوان اس بات کو اچھی طرح جان لے، اگر تمام دنیا کے انسان اور جن مل کر چاہیں کہ تمہیں کوئی فائدہ پہنچائیں تو نہیں پہنچا سکتے جب تک اللہ نہ چاہے اور اگر تمام انسان اور جن مل کر تمہیں کوئی نقصان پہنچانا چاہیں تو نہیں پہنچا سکتے جب تک اللہ نہ چاہے۔ پس پکارو تو صرف اللہ کو پکارو۔ کسی اور سے سوال کرنے، التجائیں کرنے اور استغاثہ کرنے کا کیا فائدہ۔ یک در گیر و محکم بگیر۔

اے کافرو، کیا تم یہ چاہتے ہو کہ ہم اپنی ایڑیوں پر پھر جائیں جبکہ اللہ نے ہمیں ہدایت دے دی۔ کیا ہم اس طرح کے آدمی بن جائیں جسے شیطانوں نے جنگل یا بیابان میں راستہ بھلا دیا ہو اور اُسے کچھ نظر نہ آ رہا ہو۔ ایسے شخص کے ساتھی اسے پکار رہے ہوں کہ آ جاؤ ہماری طرف، آ جاؤ سیدھی راہ کی طرف —— یہاں جماعتی زندگی کی برکت کی طرف بھی اشارہ ہے۔ اگر آپ اکیلے ہوں اور کہیں بھٹک جائیں تو آپ کے لئے سیدھے راستے پر آنا بہت مشکل ہو جائے گا۔ اسی لئے سورۃ التوبہ میں فرمایا گیا: ﴿کونوا مع الصّٰدقین﴾ یعنی ''سچوں کی رفاقت اختیار کرو۔'' فرض کریں، انسان کو کوئی ایسی آزمائش پیش آ جائے کہ اُسے نکلنے کا کوئی راستہ دکھائی نہ دے رہا ہو۔ مثلاً بیوی بچے حرام کام کے لیے دباؤ ڈال رہے ہوں، ایسے میں اگر آپ کے رفقاء آپ کے ساتھ ہوں گے تو وہ آپ کا ہاتھ تھام کر سہارا دیں گے۔

کہہ دیجئے، بے شک اللہ ہی کی ہدایت اصل ہدایت ہے۔ ہمیں تو حکم دیا گیا ہے کہ ہم تمام جہانوں کے پروردگار کی فرماں برداری اختیار کریں اور یہ کہا گیا ہے کہ نماز قائم کرو اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ اور وہی ذات ہے جس کی طرف تمہیں جمع کر دیا جائے گا اور وہی ہے جس نے آسمان اور زمین بنائے ہیں حق کے ساتھ یعنی بامقصد۔ جیسا کہ سورۂ آل عمران میں فرمایا گیا: ﴿رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا﴾ یعنی ''اے ہمارے رب تو نے یہ (سب) باطل نہیں بنایا۔'' یہ کائنات اللہ تعالیٰ کی مشیت کے سہارے چل رہی ہے۔ ایک دن ایسا آئے گا جب وہ اس کائنات کو لپیٹ دے گا۔ جیسا کہ سورۃ الانبیاء میں ہے کہ جس دن ہم ان تمام خلاؤں، فضاؤں اور آسمانوں کو ایسے لپیٹ دیں گے جیسے تم کتابوں کا طومار لپیٹ لیتے ہو۔ اُس کا فرمان ہی حق ہے یعنی اُس کا ''کن'' کہہ دینا ہی کافی ہے۔ اُسے کسی اور شے کی کوئی ضرورت ہے، نہ matter کی نہ energy کی۔ اِس دن بادشاہی بس اُسی کی ہوگی جس دن صور پھونکا جائے گا۔ اگرچہ حقیقت میں تو اب بھی بادشاہی اُسی کی ہے لیکن ابھی جھوٹے، سچے بادشاہ بیٹھے ہوئے ہیں۔ ابھی شاہ فہد بھی ہے، شاہ حسن، شاہ حسین اور کئی دوسرے بادشاہ ہیں، ملکہ بھی ہیں۔ اُس دن یہ سب نسیاً منسیا ہو جائیں گے۔ بس وہی بادشاہ ہوگا۔ "لمن الملك اليوم لله الواحد القهار۔" وہ تمام کھلی چھپی چیزوں کا جاننے والا ہے۔ وہ کمال حکمت والا اور ہر شے سے باخبر ہے۔

فرمان نبویؐ

میت کے ساتھ تین چیزیں

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

عَنْ اَنَسٍ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((يَتْبَعُ الْمَيِّتَ ثَلَاثَةٌ اَهْلُهٗ وَمَالُهٗ وَعَمَلُهٗ فَيَرْجِعُ اِثْنَانِ وَيَبْقٰى وَاحِدٌ: يَرْجِعُ اَهْلُهٗ وَمَالُهٗ وَيَبْقٰى عَمَلُهٗ)) (متفق علیہ)

حضرت انس ؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میت کے ساتھ تین چیزیں جاتی ہیں۔ (1) اہل وعیال (2) اس کا مال اور (3) اس کا عمل۔ ان میں سے دو چیزیں، اس کے عیال اور اس کا مال تو اسے (قبر تک پہنچا کر) لوٹ آتے ہیں۔ صرف اس کے اعمال ہی اس کے ساتھ رہ جاتے ہیں!۔''

"تا خلافت کی بنا، دنیا میں ہو پھر استوار
لاکہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب وجگر

قیام خلافت کا نقیب

ہفت روزہ — لاہور

ندائے خلافت

جلد 16 — شمارہ 45

13 تا 19 دسمبر 2007 ء

2 تا 8 ذوالحجہ 1428 ھ

بانی: اقتدار احمد مرحوم

مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید

نائب مدیر: محبوب الحق عاجز

مجلس ادارت

سید قاسم محمود۔ایوب بیگ مرزا

سردار اعوان۔محمد یونس جنجوعہ

نگران طباعت: شیخ رحیم الدین

پبلشر: محمد سعید اسعد، **طابع**: رشید احمد چوہدری

مطبع: مکتبہ جدید پریس، ریلوے روڈ، لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی:

67-اے، علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو، لاہور-54000

فون: 6366638 - 6316638 فیکس: 6271241

E-Mail:markaz@tanzeem.org

مقام اشاعت: 36-کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور-54700

فون: 03-5869501

قیمت فی شمارہ 5 روپے

سالانہ زرِ تعاون

اندرونِ ملک...... 250 روپے

بیرون پاکستان

انڈیا-------------------(2000 روپے)

یورپ، ایشیا، افریقہ وغیرہ (2500 روپے)

امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ (3000 روپے)

ڈرافٹ، منی آرڈر یا پے آرڈر

"مکتبہ خدام القرآن" کے عنوان سے ارسال کریں

چیک قبول نہیں کیے جاتے

"ادارہ" کا مضمون نگار حضرات کی رائے سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں

اداریہ

ایوب بیگ مرزا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلام کا سیاسی نظام

ایک نظریاتی ملک کا سیاسی نظام کیسا ہونا چاہیے، اِس معاملے میں دو آرا نہیں ہوسکتیں۔یعنی یہ ایسا سیاسی نظام ہوگا جو اس نظریہ کی تعبیر اور تعمیل کے لیے بنیاد فراہم کرے۔ پاکستان جو اسلام کے نام پر مسلمانوں کی تحریک سے وجود میں آیا تھا، بدقسمتی سے ایسا سیاسی نظام وضع نہ کرسکا جو نظریۂ پاکستان کو عملی شکل دے سکے۔ بالفاظ دیگر پاکستان کا جسد اور پاکستان کی روح مخالف سمتوں میں رواں رہے۔جسم اور روح کی اِس باہمی کھینچ تان نے پاکستان کو شکست و ریخت سے دوچار کر دیا اور مشرقی پاکستان بنگلہ دیش بن گیا۔ عام خیال یہ تھا کہ یہ عبرتناک شکست پاکستان کا قبلہ درست کر دے گی اور وہ صراطِ مستقیم پر گامزن ہوجائے گا لیکن افسوس صد افسوس کہ حالات مزید بدتر ہوگئے۔ لوٹ مار اور دنیا حاصل کرنے کی خواہش نے چھوٹے بڑے، امیر غریب سب کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ آج پاکستان کی بقا اور اُس کا دنیا کے نقشہ پر ایک ملک کی حیثیت سے قائم رہ جانا بھی سوالیہ نشان بن گیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ قرآن اور سنت کوئی خاص اور معین سیاسی نظام کی تاکید نہیں کرتے۔ اِس کی وجہ یہ تھی کہ جب اسلام کا سورج اپنی پوری تابناکی کے ساتھ طلوع ہوا اور جزیرہ نمائے عرب اُس کی روشنی سے جگمگا اُٹھا، اس وقت دنیا سیاسی لحاظ سے اپنے ارتقائی سفر کے ابتدائی مراحل میں تھی، لہٰذا ایک ایسا معین سیاسی نظام نہیں دیا جاسکتا تھا جو وقت کے بدلتے ہوئے تقاضوں پر پورا اُتر سکے۔عرب میں قبائلی نظام رائج تھا اور روم و ایران جیسی عظیم سلطنتوں میں ملوکیت کا نظام رائج تھا۔ سردار کا حکم آخری حکم ہوتا تھا اور بادشاہ کی زبان قانون کا درجہ رکھتی تھی، جو ذاتی یا حکومتی مفاد کے تحت بدلتی رہتی تھی۔ اِس ماحول میں قرآن حکیم نے نبی اکرم ﷺ کو دنیوی امور میں مسلمانوں سے مشورہ کرنے کا حکم دیا۔ نبی اکرم ﷺ نے اطاعتِ امیر کو اسلام کے سیاسی نظام کا سنگِ بنیاد قرار دیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خلیفہ کے تقرر میں عوام کے حق کو علانیہ تسلیم کیا اور عمر بن عبدالعزیزؒ نے بطور خلیفۃ المسلمین اپنی نامزدگی کے باوجود عوام کی طرف سے توثیق کو لازم سمجھا۔ گویا فرمودۂ قرآن، قولِ رسولؐ، سنت صحابہؓ اور تابعی خلیفۃ المسلمین کے طرزِ عمل کو جمع کیا جائے تو اسلام کا ایک ایسا سیاسی نظام وجود میں آتا ہے جو صد فی صد قرآن اور سنت رسول ﷺ کے تابع بھی ہوگا اور جدید دور کے تقاضوں کو پورا بھی کرسکے۔یعنی قرآن کے حکم کے مطابق ایک مشاورتی فورم وجود میں آئے جسے جدید اصطلاح میں پارلیمنٹ کہا جاتا ہے۔ شریعت کے دائرے میں امیر کی اطاعت کی جائے۔ خلیفہ کے تقرر میں عوام کی رائے حاصل کرنا لازم ہو۔ البتہ رائے دہندگان پر شرائط لاگو کی جاسکتی ہیں۔

اسلام کے سیاسی نظام میں یہ بات فیصلہ کن ہوگی کہ حکمران مشاورتی فورم یا کوئی دوسرا ادارہ قرآن اور سنت سے تجاوز نہیں کرسکے گا۔ موجودہ دور کا یہ جمہوری کلچر بھی اسلام سے لگا نہیں کھاتا کہ ایک حکومتی پارٹی اور دوسری اپوزیشن کی جماعت ہو۔ حکومتی پارٹی کے ہر رکن کا فرض ہو کہ اُسے حکومتی اقدام کی لازماً حمایت کرنا ہوگی، اور اپوزیشن کا ہر رکن اپنی جماعت کی پالیسی کا پابند ہوگا اور اُسے بہرصورت حکومت کی مخالفت کرنا ہوگی بلکہ ہر شخص کو اپنے ضمیر کی آواز پر لبیک کہنا ہوگا اور مشاورتی فورم کا رکن خواہ وہ حکومت میں ہو یا نہ ہو، اُسے حکومتی کارکردگی پر اِس نقطۂ نظر سے نگاہ رکھنا ہوگی کہ وہ قرآن اور سنت سے تجاوز نہ کرے اور اِس دائرے میں رہتے ہوئے مفادِ عامہ کو ہمیشہ مدنظر رکھے۔ اہل مغرب کو انسان کے بنیادی حقوق کا خیال بہت دیر سے آیا۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان کے بنیادی حقوق کا سب سے بڑا علمبردار قرآن مجید ہے، جنہیں کسی نوعیت کی ایمرجنسی معطل نہیں کرسکتی۔ قرآن مجید نے نہ صرف انسان کو بنیادی حقوق کا شعور عطا کیا، بلکہ اُس کی عزت و تکریم کو بھی اجاگر کیا، علاوہ ازیں قرآن مجید معاشرتی، معاشی اور سیاسی سطح پر طبقاتی تقسیم کو سختی سے رد کرتا ہے۔ پھر یہ کہ عدل چونکہ اسلام کا "کیچ ورڈ" ہے، لہٰذا اسلامی ریاست کے (باقی صفحہ 13 پر)

لینن

(خُدا کے حضور میں)

اے انفس و آفاق میں پیدا ترے آیات — حق یہ ہے کہ ہے زندہ و پایندہ تری ذات
میں کیسے سمجھتا کہ تُو ہے یا کہ نہیں ہے — ہر دم متغیّر تھے خرد کے نظریّات
محرم نہیں فطرت کے سرودِ ازلی سے — بینائے کواکب ہو کہ دانائے نباتات!
آج آنکھ نے دیکھا تو وہ عالم ہُوا ثابت! — میں جس کو سمجھتا تھا کلیسا کے خرافات
ہم بندِ شب و روز میں جکڑے ہوئے بندے — تو خالقِ اعصار و نگارندۂ آنات
اِک بات اگر مجھ کو اجازت ہو تو پوچھوں — حل کر نہ سکے جس کو حکیموں کے مقالات!
جب تک میں جیا خیمۂ افلاک کے نیچے — کانٹے کی طرح دل میں کھٹکتی رہی یہ بات
گفتار کے اسلوب پہ قابو نہیں رہتا — جب روح کے اندر متلاطم ہوں خیالات

1۔ انفس: نفس کی جمع ہے، مُراد ہے عالمِ ارواح یا بنی آدم۔
آفاق: افق کی جمع، مُراد کائنات
آیات: آیت کی جمع، نشان، مُراد دلائل

پہلے مصرعے کا مضمون قرآنِ حکیم کی تعلیم سے ماخوذ ہے، یعنی اللہ کی ہستی کے دلائل کائنات میں بھی موجود ہیں اور خودِ انسانوں کے اندر بھی، بشرطیکہ وہ غور وفکر سے کام لیں۔ ﴿وَفِی الْاَرْضِ اٰیٰتٌ لِّلْمُوْقِنِیْنَ ۝ وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝﴾ (الذاریات 21,20) "اور یقین کرنے والوں کے لئے کائنات میں بھی، ہماری ہستی کے دلائل موجود ہیں اور خود تمہارے نفسوں میں بھی۔ کیا تم غور کیاں نہیں کرتے؟"۔

لینن کہتا ہے، اے خُدا، میں اِس حقیقت سے تو آشنا ہوں کہ عالمِ ارواح اور عالمِ اجسام دونوں مقامات پر تیری نشانیاں واضح اور نمایاں ہیں، تیری ہستی کے دلائل انفس اورآفاق دونوں میں موجود ہیں، اور حق بات یہ ہے کہ تُو حي اور قیوم ہے۔

2۔ لیکن اِس عالمِ آب وگل میں فلسفہ ودانش اوران کے حوالوں سے نظریات میں ردوبدل ہوتا رہتا ہے۔ اس نے ایک الجھن اور تذبذب کی کیفیت پیدا کر دی ہے، جس کے سامنے تیرے وجود کے بارے میں، میں بھی بے یقینی کا شکار رہا اور کوئی واضح شکل سامنے نہ آسکی۔

3۔ عصرِ حاضر میں ماہرینِ فلکیات ہوں یا ماہرین نباتات، یہ سائنس داں بھی حقیقت کا صحیح ادراک نہیں رکھتے۔ سائنس داں صرف مظاہر قدرت پر اکتفا کرتے ہیں اور آئے روز نئی نئی دریافتیں کر کے نئے نئے اصول اور نظریات بیان کرتے رہتے ہیں، لیکن دیکھا جائے تو اُن کو فطرت کے مظاہر سے فی الحقیقت کوئی آگاہی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ خود بھی تیری ذات کے عرفان سے محروم رہے اور دوسروں کو بھی محروم رکھا۔

4۔ یہ درست ہے کہ جب تک میں زندہ رہا، اُس وقت تک کلیسا کی تعلیم اور پادریوں کی باتوں کو خرافات اور بے معنی سمجھ کر نظر انداز کرتا رہا، لیکن اب عالمِ آخرت میں سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا تو معلوم ہُوا کہ عالمِ آخرت کا عقیدہ حقیقت پر مبنی ہے۔

دوسرے، تیسرے اور چوتھے شعر کی تشریح کا خلاصہ یہ ہے کہ "خرد کے نظریات" سے مُراد عقل کی بنیاد پر قائم ہونے والے دلائل ہیں، جن کی کیفیت ہے کہ وہ مدارِ یقین نہیں بن سکتے، کیونکہ اگر ایک فلسفی آج ہستیٔ باری تعالیٰ پر ایک دلیل قائم کرتا ہے تو کل دوسرا فلسفی اُس میں غلطی کا احتمال پیدا کر دیتا ہے، اور منطق کا مسلمہ اصول یہ ہے کہ اذا جَاءَ الاحتمالُ بطل الاستدلال یعنی "اگر قضایا میں غلطی کا احتمال پیدا ہو جائے تو استدلال باطل ہو جاتا ہے۔"

"فطرت کے سرودِ ازلی" سے وہ حقائق ومعارف مُراد ہیں جو صرف وحی والہام (وجدان) کی بدولت منکشف ہو سکتے ہیں۔

"بنیائے کواکب" اور "دانائے نباتات" سے سائنس داں مراد ہیں۔

"کلیسا کے خرافات" سے عالمِ آخرت مُراد ہے، چونکہ لینن مادہ پرست تھا، اس لیے وہ عقیدۂ آخرت کو خرافات سمجھتا تھا۔

لینن کہتا ہے کہ اے خدا، میں چونکہ مادہ پرست تھا اور صرف عقلی دلائل پر اعتماد کرتا تھا، اور عقلی دلائل کا کوئی اعتبار نہیں۔ آج ایک بات عقل کی رُو سے صحیح ثابت ہوتی ہے، کل وہی بات اُسی عقل کی رُو سے غلط ثابت ہوتی ہے، اس لیے میں یہ فیصلہ نہیں کر سکا کہ تُو ہے یا نہیں، میں تو ایک ماہر معاشیات اور سائنس داں تھا، اور سائنس داں وحی والہام پر یقین نہیں رکھتے، اس لیے میں کسی نبی یا رسول پر بھی ایمان نہ لا سکا، لیکن اب کہ جب میں تیرے حضور حاضر ہوں اور تجھے اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں تو کس طرح تیرا انکار کر سکتا ہوں۔

5۔ بے شک ہم تو شب و روز کے چکروں میں محصور اور بے بس انسان ہیں۔ اور اے باری تعالیٰ، جہاں تک تیری ذات کا تعلق ہے، تُو زمانوں کا خالق اور ایک ایک لمحے کی واردات کو محفوظ رکھنے والا ہے۔

6۔ تاہم اگر تُو مجھے اجازت دے اور میری اِس جسارت سے درگزر کرے تو وہ بات ضرور پوچھوں گا جسے دنیا کے بڑے بڑے فلسفی اور اُن کی تصانیف حل نہ کر سکیں۔

7۔ اور وہ یہ کہ جب تک میں زندہ رہا، یہی بات میرے دل میں کانٹے کی طرح کھٹکتی رہی۔

8۔ اپنا مُدعا بیان کرنے سے قبل یہ ضرور تسلیم کروں گا کہ جب رُوح میں خیالات متلاطم ہوں تو انسان کو اپنی گفتگو پر قابو نہیں رہتا۔ چنانچہ اِس جسارت کے لیے پہلے سے معذرت خواہ ہوں۔

کامیابی کا قرآنی تصور اور
حیاتِ صحابہ ؓ

مسجد دارالسلام باغ جناح، لاہور میں امیر تنظیم اسلامی محترم حافظ عاکف سعید صاحب کے 7 دسمبر 2007ء کے خطبۂ جمعہ کی تلخیص

[سورۃ التوبہ کی آیت 111 کی تلاوت اور خطبۂ مسنونہ کے بعد]

حضرات! کامیابی کا قرآنی تصور کیا ہے، اور اہل حق پر دنیا میں جو مصائب اور آزمائشیں آتی ہیں، اُن کی حیثیت کیا ہے، اس پر گزشتہ جمعہ گفتگو کی گئی تھی۔ آج اسی کو آگے بڑھائیں گے (ان شاء اللہ)۔ پچھلے خطاب جمعہ کی گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ انسان اپنی نادانی کی وجہ سے دنیا اور اُس کے مال و متاع کو کامیابی خیال کرتا ہے، حالانکہ یہ تو دھوکے کا سامان ہے۔ اصل کامیابی تو مرنے کے بعد کی زندگی میں کامیابی ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ جو شخص آتش جہنم سے دور کر دیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا، وہ کامیاب و کامران ہو گیا۔ اس کے برعکس وہ لوگ ناکام و نامراد ہو گئے اور سخت خسارے سے دوچار ہو گئے جو دنیا کی سعی و جہد محض دنیوی زندگی کو سنوارنے کے لئے کرتے رہے، اور اپنے تئیں یہ سمجھتے رہے کہ وہ بہت بھلے کام کر رہے ہیں۔ اللہ کی کتاب کامیابی کی اِس حقیقت کو مستحضر رکھنے کے لئے بار بار آخرت کی یاد دلاتی ہے، تاکہ انسان خوابِ غفلت سے بیدار ہو اور اپنے خالق و مالک کی جانب رجوع کرے، اور نتیجتاً اُخروی فوز و فلاح سے ہمکنار ہو۔ سورۃ الانبیاء میں فرمایا:

﴿اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ ۝۱﴾

''لوگوں کا حساب (اعمال کا وقت) نزدیک آ پہنچا ہے اور وہ غفلت میں (پڑے اس سے) منہ پھیر رہے ہیں۔''

سورۃ الواقعہ میں ارشاد ہوا:

﴿اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۝۱ لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ ۝۲ خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ۝۳﴾

''جب واقع ہونے والی واقع ہو جائے۔ اس کے واقع ہونے میں کوئی جھوٹ نہیں۔ کسی کو پست کرے کسی کو بلند۔''

آخرت کی منزل میں کامیابی کے لئے ایمانی جدوجہد کی راہ میں دنیا بڑی رکاوٹ ہے، اِس لئے قرآن دنیا کی حقیقت کو بھی جا بجا واضح کرتا ہے، تاکہ اِس کے دھوکے میں مبتلا ہو کر انسان اپنی منزل کھوٹی نہ کرے۔ وہ بتاتا ہے کہ دنیا عیش و آرام کی جگہ اور خوشی و کامرانی کا مسکن نہیں، نہ ہی یہ تمہارے اعمال کے بدلے کی جگہ ہے کہ یہاں تم جو کرو، اُس کا بدلے تمہیں مل جائے۔ نہیں، بلکہ یہ دنیا دارالامتحان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ سلسلہ موت و حیات پیدا ہی اس لئے کیا ہے، تاکہ تمہیں آزمائے۔ سورۃ الملک میں ارشاد ہوا:

﴿الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفُوْرُ ۝۲﴾

''اس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں کون اچھے کام کرتا ہے اور وہ زبردست (اور) بخشنے والا ہے۔''

سورۂ آل عمران میں فرمایا گیا:

﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ؕ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ۝۱۸۵﴾

''ہر نفس کو موت کا مزا چکھنا ہے۔ اور تم کو قیامت کے دن تمہارے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ تو جو شخص آتش جہنم سے دور رکھا گیا اور بہشت میں داخل کیا گیا، وہ مراد کو پہنچ گیا۔ اور دنیا کی زندگی تو دھوکے کا سامان ہے۔''

یعنی ہر ذی نفس کو جس نے دنیا میں آنکھ کھولی، موت کا ذائقہ چکھنا ہے، اور مرنے کے بعد ہر آدمی کو اُس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ عطا کیا جائے گا۔ جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی، اُسے اُس کی جزا ملے گی اور جس نے ذرہ برابر برائی کی ہوگی، اُس کی سزا پائے گا۔ وہاں صحیح معنوں میں کامیاب وہ شخص ہوگا جو آتش جہنم سے بچا لیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا...... اور یہ بھی یاد رکھو کہ دنیا کی زندگی متاع الغرور، دھوکے کا سامان ہے۔ اگر اُس کی چمک دمک اور خوشنمائی پر فریفتہ ہو گئے اور اپنے جسم و جان کی صلاحیتیں اس کے حصول میں لگا دیں، تو آخرت کی دائمی زندگی میں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے گا۔ پھر دنیا میں خواہ تم کروڑ پتی ہی کیوں نہ ہو، تمہارا شمار بلین ایئر کلب میں ہو جائے مگر تم حقیقت میں ناکام و نامراد ہو گئے۔ اس کو ہم ایک مثال سے بھی سمجھ سکتے ہیں۔ فرض کریں، ایک بچے کو امتحانی سنٹر میں پرچہ حل کرنے کے لئے ایک گھنٹے کا وقت دیا جائے اور کہا جائے کہ اس پرچے کے صحیح کرنے پر تمہاری پوری زندگی کا مدار ہے۔ اگر تم نے یہ پرچہ صحیح حل کر لیا تو فلاں کمپنی میں ایک خوشحال مستقبل اور مراعات اور آسائشوں سے بھرپور زندگی تمہاری منتظر ہے۔ اب آپ کا کیا خیال ہے؟ ایسا شخص اِس وقت کو ضائع کرے گا؟ کیا وہ ایک گھنٹے کے محدود وقت کو گپ شپ میں گزار دے گا؟ یا پوری دلجمعی سے پرچہ حل کرے گا۔ ظاہر ہے کہ وہ اپنا ایک ایک منٹ پوری توجہ اور یکسوئی سے پرچہ حل کرنے میں صرف کرے گا...... اور اگر وہ اپنا یہ وقت ضائع کرے تو آپ اُس کے متعلق کیا خیال کریں گے؟ یہی نا کہ وہ ناکام ترین انسان ہے کہ اپنی پوری زندگی کو بنانے کی خاطر ایک گھنٹہ بھی یکسوئی اور دلجمعی سے پرچہ حل نہ کر سکا۔ یہ تو دنیا کا معاملہ ہے۔ ایک گھنٹے اور دنیا کی کل زندگی میں تو پھر بھی کوئی نہ کوئی نسبت قائم کی جا سکتی ہے۔ مگر آخرت کی دائمی زندگی اور دنیا کی حیات چند روزہ کا کوئی مقابلہ ہی نہیں کیا جا سکتا۔ دنیا کی زندگی آخرت کے مقابلے میں بہت قلیل ہے۔ اس حقیقت کا ادراک آج انسان کو ہو یا نہ ہو، آخرت میں ضرور ہو جائے گا۔ جیسا کہ سورۃ المومنون میں روزِ محشر کے حوالے سے فرمایا:

﴿قٰلَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الْاَرْضِ عَدَدَ سِنِيْنَ ۝۱۱۲ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَسْئَلِ الْعَآدِّيْنَ ۝۱۱۳ قٰلَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا لَّوْ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۱۱۴﴾

''(اللہ) پوچھے گا، کہ تم زمین میں کتنے برس رہے۔ وہ کہیں گے کہ ہم ایک روز یا ایک روز سے بھی کم رہے تھے۔ شمار کرنے والوں سے پوچھ لیجئے۔ (اللہ) فرمائے گا، کہ (وہاں) تم (بہت ہی) کم رہے، کاش تم جانتے ہوتے۔''

سورۃ النازعات میں یہ الفاظ آئے ہیں:

﴿كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰهَا ۝۴۶﴾

"جب وہ اس کو دیکھیں گے (تو ایسا خیال کریں گے)
کہ گویا (دنیا میں صرف) ایک شام یا صبح رہے تھے۔"

کامیابی کا یہی حقیقی تصور تھا، جسے صحابہ کرامؓ نے اپنے سینے سے لگا اور دل میں بٹھا رکھا تھا۔ اُن کی زندگیاں بتاتی ہیں کہ انہوں نے اپنی آخرت بنانے کے لئے اپنی دنیا، دنیوی مال ومتاع، اپنی جانیں الغرض ہر وہ چیز اللہ کی راہ میں قربان کر ڈالی کہ جس کا اُن سے تقاضا کیا گیا۔ اُن کی منزل آخرت تھی۔ اُن کا نصب العین یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کو راضی کر کے آخرت میں کامیاب ہو جائیں۔ وہاں سرخرو ہو جائیں تو دنیا اور اسباب حیات کی قربانی معمولی بات ہے۔ پھر یہاں کی ابتلائیں اور آزمائشیں بھی کوئی معنی نہیں رکھتیں۔ سورۃ الاحزاب میں جہاں غزوۂ احزاب کا تذکرہ ہے، اللہ تعالیٰ نے عظیم الشان اور جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اِس ایمانی کیفیت کا تذکرہ فرمایا ہے۔ اگر ہم اِس غزوہ کا جائزہ لیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ درحقیقت مسلمانوں کی سخت ترین آزمائش تھی۔ مدینہ کی بستی کو دس ہزار سے زائد کفار نے گھیر لیا تھا۔ پورے عرب سے کفار، یہود اور مشرکین اکٹھے ہو کر آ گئے تھے۔ ایک طرف "اتحادیوں" کا اتنا بڑا لشکر تھا اور دوسری جانب بمشکل تین ہزار لڑنے والے افراد تھے۔ اِس کے علاوہ خود مدینہ کے اندر یہودیوں کا قبیلہ بنو قریظہ موجود تھا، جن سے اندیشہ تھا کہ پیچھے سے پیٹھ میں چھرا گھونپیں گے۔ اِن پُرخطر حالات میں اہل ایمان کی شدید ترین آزمائش کی گئی اور بظاہر دکھائی دیتا تھا کہ اگر جنگ ہوگئی تو شاید ہی کوئی مسلمان بچ سکے۔ چنانچہ حالات کی سنگینی اور شدید آزمائش میں منافقین کا نفاق اُن کی زبانوں پر آ گیا۔ کہنے لگے کہ ہمیں تو کہا گیا تھا کہ تمہیں قیصر وکسریٰ کے خزانے ملیں گے جبکہ آج صورتحال یہ ہے کہ ہم قضائے حاجت کے لئے بھی مدینہ سے باہر نہیں نکل سکتے۔ قرآن حکیم اِس شدید ترین آزمائش اور اِس میں منافقین کے نفاق کا تذکرہ بایں الفاظ کرتا ہے:

﴿اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ۝ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ۝ وَاِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اِلَّا غُرُوْرًا ۝﴾
(الاحزاب)

"(وہ وقت یاد کرو) جب وہ (کفار) تمہارے اوپر اور نیچے کی طرف سے تم پر چڑھ آئے، اور جب آنکھیں پھر گئیں اور دل (مارے دہشت کے) گلوں تک پہنچ گئے اور تم اللہ کی نسبت طرح طرح کے گمان کرنے لگے۔ وہاں مومن آزمائے گئے اور سخت طور پر ہلائے گئے۔ اور جب منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے، کہنے لگے کہ اللہ اور اس کے رسول نے تو ہم سے محض دھوکے کا وعدہ کیا تھا۔"

اِس سخت ترین آزمائش میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو استقامت عطا فرمائی۔ وہ کفار کے مقابلے میں کوہ گراں ثابت ہوئے۔ اُن کے ایمان میں اضافہ ہوا۔

﴿وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ ۙ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۡ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا ۝﴾ (الاحزاب)

"اور جب مومنوں نے (کافروں کے) لشکر کو دیکھا تو کہنے لگے، یہ وہی ہے جس کا اللہ اور اس کے پیغمبر نے ہم سے وعدہ کیا تھا اور اللہ اور اس کے پیغمبر نے سچ کہا تھا اور اس سے اُن کا ایمان اور اطاعت اور زیادہ ہوگئی۔"

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے جواب پر بایں الفاظ تبصرہ فرمایا:

﴿مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۡ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ۝﴾

"مومنوں میں کتنے ہی ایسے شخص ہیں کہ جو اقرار انہوں نے اللہ سے کیا تھا اس کو سچ کر دکھایا۔ تو ان میں بعض ایسے ہیں جو اپنی نظر سے فارغ ہو گئے اور بعض ایسے ہیں کہ انتظار کر رہے ہیں اور انہوں نے (اپنے قول کو) ذرا بھی نہیں بدلا۔"

اخروی کامیابی کا یہ تصور صحابہ کرامؓ کے دلوں میں کس قدر راسخ تھا، اِس سلسلے میں تاریخ میں بے شمار واقعات ملتے ہیں۔ اِسی طرح کا ایک واقعہ حضرت خبیبؓ کا ہے۔ غزوۂ بدر کے بعد کا ذکر ہے کہ وہ مشرکین مکہ کے ہتھے چڑھ گئے۔ اور یہ بات تو آپ جانتے ہیں کہ اِس جنگ میں مشرکین کے ستر کفار جن میں بڑے بڑے سردار بھی شامل تھے، اہل ایمان کے ہاتھوں جہنم واصل ہوئے تھے۔ اِس بنا پر اُن کے اندر مسلمانوں کے خلاف انتقام اور غم وغصہ کے شعلے بھڑک رہے تھے۔ حضرت خبیبؓ کو کفار کے ایک ایسے خاندان کے حوالے کر دیا گیا جس کا آدمی غزوۂ بدر میں مارا گیا تھا، تاکہ وہ اُن سے بدلہ لے کر اپنی آتش انتقام کو بجھا سکے۔ دشمنان حق آپؓ کو پھانسی گھاٹ کی طرف لے گئے جس کا نام "تنعیم" تھا۔ مقررہ جگہ پہنچ کر آپؓ نے دو رکعت نماز ادا کرنے کی مہلت مانگی۔ نماز کے بعد اللہ سے یہ دُعا مانگی کہ (اَللّٰهُمَّ اَحْصِهِمْ عَدَدًا وَاقْتُلْهُمْ بَدَدًا) پھر بڑی جرأت اور اطمینان سے اُن کی طرف متوجہ ہوئے اور یہ اشعار گنگنانے لگے:

وَلَسْتُ اُبَالِيْ حِيْنَ اُقْتَلُ مُسْلِمًا
عَلٰى اَيِّ جَنْبٍ كَانَ فِي اللّٰهِ مَصْرَعِيْ
وَذٰلِكَ فِيْ ذَاتِ الْاِلٰهِ وَ اِنْ يَّشَاْ
يُبَارِكْ عَلٰى اَوْصَالِ شِلْوٍ مُمَزَّعِ

"اور جب میں مسلمان کی حیثیت سے قتل ہو رہا ہوں تو مجھے اس بات کی کوئی پروا نہیں کہ کس پہلو پر مجھے موت آتی ہے۔ میں جس پہلو پر بھی مارا جاؤں گا اللہ کی خاطر ہی جان دوں گا اور موت تو اللہ کی خاطر قبول کر رہا ہوں۔ اگر وہ چاہے تو ان ٹکڑے ٹکڑے ہڈیوں میں بھی برکت ڈال دے گا۔"

پریس ریلیز 7 دسمبر 2007ء

"ایٹمی تنصیبات پر حملے کے امریکی عزائم سے واضح ہے کہ حکمرانوں نے نام نہاد دہشت گردی کے خلاف جنگ میں فرنٹ لائن اسٹیٹ کا کردار ادا کر کے بڑا گھاٹے کا سودا کیا"

حافظ عاکف سعید

اخباری اطلاعات کے مطابق امریکہ کی جانب سے پاکستان کی ایٹمی تنصیبات پر حملے کی تیاریاں جاری ہیں۔ اگر امریکی اطاعت کی یہی جزا ملنی تھی تو حکمرانوں نے نام نہاد دہشت گردی کے خلاف جنگ میں فرنٹ لائن اسٹیٹ کا کردار ادا کر کے بڑا گھاٹے کا سودا کیا۔ یہ بات امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید نے مسجد دار السلام باغ جناح میں خطابِ جمعہ کے اختتام پر کہی۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات پر حملے کے فوجی پلان کی تصدیق تو کافی عرصہ پہلے امریکی وزیر خارجہ کر چکی ہیں، اب صرف اس پر عمل درآمد کے لیے مناسب وقت طے کرنا باقی ہے۔ ان حالات میں یہ ضروری ہے کہ قوم کو اُس کی سلامتی اور خود مختاری کے حوالے سے درپیش خطرات سے نہ صرف آگاہ کیا جائے، بلکہ اُن سے نکلنے لائحہ عمل بھی سامنے رکھا جائے۔ اُنہوں نے کہا کہ کمر توڑ مہنگائی، مفاد پرست حکمران اور سیاسی عدمِ استحکام دراصل ہمارے قومی جرائم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سزا ہے۔ ہم جب تک اجتماعی توبہ نہیں کریں گے ملکی حالات کا سدھرنا ممکن نہیں ہے۔ انہوں نے کہا کہ دین و دنیا کی اصل کامیابی اُسی صورت ممکن ہے جب ہم اپنے دین کو ذاتی اور گروہی مفادات پر مقدم رکھیں گے۔ اگر ہم نے ملک کو اسلامی ریاست بنانے کا وہ وعدہ پورا نہ کیا جو قیامِ پاکستان کے وقت کیا تھا، تو آزمائش کی یہ گھڑی طویل سے طویل تر ہوتی جائے گی اور ڈر ہے کہ اللہ کے عذاب کا کوئی شدید کوڑا ہماری پیٹھ پر نہ آ برسے۔

(جاری کردہ: مرکزی شعبہ نشر و اشاعت تنظیم اسلامی)

حق وصداقت کے اِن بدترین دشمنوں نے کھجور کے تنوں سے ایک بہت بڑی صلیب تیار کی اور اُس کے اوپر حضرت خبیبؓ کو باندھ دیا اور اب دشمنی کا بدترین مظاہرہ کرنے کے لئے تیار کھڑے ہوگئے۔ نیزہ باز اُٹھے اور نیزہ مارنے کے لئے تیار ہوگئے۔ ان لوگوں نے حضرت خبیبؓ پر پہلا تیر چلایا تو اُن کا جواب تھا: فُزْتُ بِرَبِّ الْكَعْبَةِ یعنی ''رب کعبہ کی قسم! میں کامیاب ہوگیا۔'' یہ ایمان افروز جملہ درحقیقت اِس ایمانی کیفیت کا اظہار تھا کہ میری نگاہ میں حیات دنیا کوئی حیثیت نہیں رکھتی، میری اصل منزل آخرت ہے، رب کعبہ کی قسم میں وہاں کامیاب ہوگیا ہوں۔ اب راہِ حق میں جان کی مجھے کوئی پروا نہیں۔ یہ کیفیت حضرت خبیبؓ پر ہی موقوف نہیں، دوسرے صحابہ کرامؓ کی بھی تھی۔ اُن کی خواہش صرف اور صرف یہ تھی کہ آخرت میں کامیاب ہوجائیں۔ راہ حق میں خواہ انہیں کتنی ہی مشکلات پیش آئیں وہ انہیں خندہ پیشانی سے برداشت کریں گے اور کفار کے ظلم و جبر اور تشدد کے جواب میں عزیمت کا راستہ اپنائیں گے۔

چلاؤ گولیاں، سینے کشادہ رکھتے ہیں
حق پہ مرمٹنے کا ہم ارادہ رکھتے ہیں
تمہیں غرور ہے کہ ہے زور و زر تمہارے پاس
ہمیں ہے ناز کہ ہمت زیادہ رکھتے ہیں

ایسے ہی لوگوں کے لئے آخرت کی کامیابی اور جنت کے باغات ہیں۔ سورۃ التوبہ میں فرمایا گیا:

﴿اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ ۟ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ ؕ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ؕ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ (111)﴾

''اللہ نے مومنوں سے اُن کی جانیں اور اُن کے مال خرید لئے ہیں (اور اس کے) عوض میں اُن کے لئے بہشت (تیار کی) ہے۔ یہ لوگ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں تو مارتے بھی ہیں اور مارے جاتے بھی ہیں۔ یہ تورات اور انجیل اور قرآن میں سچا وعدہ ہے جس کا پورا کرنا اسے ضروری ہے اور اللہ سے زیادہ وعدہ پورا کرنے والا کون ہے۔ تو جو سودا تم نے اس سے کیا ہے اس سے خوش رہو اور یہی بڑی کامیابی ہے۔''

اگر آج ہم بھی فی الواقعہ کامیابی کا حصول اور آخرت کے عظیم خسارے سے بچنا چاہتے ہیں تو ہمیں اللہ سے ہوئے معاہدے پر پورا اُترنا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے جنت کے عوض ہماری جان و مال کا جو سودا کیا ہے، اُس کا تقاضا ہے کہ اُس کی راہ میں، اُس کے دین کے غلبے کے لئے ہم اپنی جان بھی لگائیں اور مال بھی کھپا دیں۔ اگر ہم اپنے حصے کا عہد پورا کریں، جان و مال سے جہاد کریں، فی سبیل اللہ قتال کریں تو اللہ ہمیں ضرور کامیابی سے نوازے گا۔ اُس کا وعدہ سچا ہے۔

آج امریکہ اور یہودی انہی آیاتِ قتال سے خوفزدہ ہیں اور تھرتھر کانپ رہے ہیں، اِسی لئے تو نصابِ تعلیم سے انہیں کھرچ کر نکالنے کی مذموم سعی کی جارہی ہے۔ مگر افسوس اِس بات کا ہے کہ خود مسلمان آج محروم یقین ہیں، جیسا کہ علامہ اقبال ''ابلیس کی مجلس شوریٰ'' میں ابلیس کی زبان سے کہتے ہیں۔

چشم عالم سے پوشیدہ رہے یہ آئیں تو خوب
یہ غنیمت ہے کہ خود مومن ہے محروم یقیں

دوسرا اہم سوال یہ ہے کہ کیا دنیا میں بھی اہل ایمان کے لئے کامیابی ہے؟ یقیناً، اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو دنیا میں بھی غلبہ و کامرانی اور فتح و کامیابی سے ہمکنار فرمائے گا۔ اُس کا وعدہ ہے:

﴿وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (139)﴾

(سورۂ آل عمران)

''اور تم ہی غالب ہوگے اگر تم مومن ہوئے۔''

البتہ یہ وعدہ ایمانی تقاضوں کی تکمیل سے مشروط ہے۔ چنانچہ اہل ایمان کی کامیابی سے پیشتر دو باتوں کا ہونا ضروری ہے۔

☆ پہلی بات یہ ہے کہ مومنین ابتلا و امتحان میں سرخرو ہوں۔ یعنی انہیں مصائب و مسائل کا سامنا کرنا پڑے اور وہ صبر و ثبات کا مظاہرہ کریں، اور آزمائش کی بھٹیوں میں کندن بن کر نکلیں۔ اُن کے ایمان کی خوب جانچ پرکھ ہوجائے اور واضح ہوجائے کہ اُن کا مطلوب و مقصود صرف رضائے الٰہی ہے۔ اِس کے سوا اُن کا کوئی اور نصب العین نہیں۔ چنانچہ قرآن حکیم میں کئی جگہ اہل ایمان کی ابتلا و آزمائش کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ سورۃ البقرہ میں فرمایا:

﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ (155)﴾

''اور ہم کسی قدر خوف اور بھوک اور مالوں اور جانوں اور میووں کے نقصان سے تمہاری آزمائش کریں گے۔ تو صبر کرنے والوں کو (اللہ کی خوشنودی کی) بشارت سنا دو۔''

سورۂ عنکبوت میں ارشاد ہوا:

﴿اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ (2)﴾

''کیا لوگ یہ خیال کئے ہوئے ہیں کہ (صرف) یہ کہنے سے کہ ہم ایمان لے آئے، چھوڑ دیئے جائیں گے اور ان کی آزمائش نہیں کی جائے گی۔''

☆ دوسری بات یہ ہے کہ امت مسلمہ کا ایک قابل لحاظ حصہ ایمانی تقاضوں کو پورا کرے، تو پھر ہی مسلمان سرخرو ہوں گے اور انہیں غلبہ و اقتدار حاصل ہوگا۔ ڈیڑھ ارب کی امت میں سے محض گنتی کے افراد کے درست ہوجانے سے کامیابی نہیں ملے گی بلکہ اپنی غفلت اور دین سے بے وفائی کے سبب ذلت و مسکنت کے عذاب میں مبتلا رہیں گے، اور اپنے کئے کا انجام بھگتتے رہیں گے۔ کیونکہ

فطرت افراد سے اغماض بھی کر لیتی ہے
کبھی کرتی نہیں ملت کے گناہوں کو معاف

یہاں یہ بات بھی واضح کردی جائے کہ دنیا میں کامیابی اور اللہ کی نصرت کا مفہوم وسیع ہے۔ اگرچہ بنیادی طور پر اس کا یہی مطلب ہے کہ اہل ایمان کو غلبہ اور فتح حاصل ہوجائے، تاہم اللہ تعالیٰ کی طرف سے مومنوں کو دشمنانِ اسلام کے مقابلے میں قوت مزاحمت اور استقامت کا عطا کیا جانا بھی کامیابی اور اللہ کی مدد ہی کی ایک صورت ہے۔ اِس میں کیا شبہ ہوسکتا ہے کہ باطل قوتوں کے خلاف استقامت کی چٹان بن جانا اُسی کی توفیق سے ممکن ہوتا ہے ورنہ انسان پسپائی اختیار کرلیتا ہے۔ حضرت امام احمد بن حنبل کا واقعہ ہے۔ خلیفہ وقت اُن سے ناراض ہوگیا۔ چنانچہ اُس کے حکم سے امام صاحب پر تشدد کی انتہا کردی گئی، مگر اللہ تعالیٰ نے تحمل، برداشت اور استقامت دے کر اُن کی مدد کی۔ اُن کی زبان پر ایک ہی لفظ ہوتا تھا: ''اِنَّ جَنَّتِیْ مَعِیَ'' یعنی ''میری جنت میرے ساتھ ہے''۔

اسی کی ایک مثال طالبان کی استقامت اور مزاحمت ہے۔ میں نے گزشتہ جمعہ عرض کیا تھا کہ طالبان پر امریکی اور دیگر صلیبی اتحادیوں نے یلغار کی تو ہر جانب سے اِس یقین کا اظہار کیا گیا کہ اگرچہ طالبان دنیاوی وسائل، اسلحہ اور فوجی قوت کے اعتبار سے اتحادیوں سے انتہائی کمزور ہیں، مادی طاقت کے حوالے سے طالبان کی اُن سے کوئی نسبت ہی قائم نہیں کی جاسکتی، تاہم چونکہ وہ حق پر ہیں، لہٰذا اللہ اُن کی ضرور نصرت فرمائے گا اور غیبی مدد آئے گی..... لیکن جب سقوط قندھار ہوا، اور طالبان بظاہر پسپا ہوگئے تو یہ یقین متزلزل ہونے لگا کہ آخر اللہ کی مدد کیوں نہیں آئی.....تو جان لیجئے کہ اگرچہ طالبان اُس طور سے فتح مند تو نہ ہوئے کہ انہوں نے دشمن کی جارحیت کا دندان شکن جواب دے کر اُس پر غلبہ پالیا ہو، اور افغانستان سے نکال باہر کیا ہو، تاہم وہ اللہ کی نصرت اور تائید سے محروم نہیں رہے، اللہ تعالیٰ نے اُن کی مدد کی ہے۔ اسی کا مظہر اُن کی بے مثال استقامت ہے۔ چنانچہ وہ آج بھی پوری دنیا کے طاغوتی اتحاد کے مقابل ڈٹے ہوئے ہیں۔ بلکہ انہوں نے امریکی اور نیٹو افواج کو تگنی کا ناچ نچایا ہوا ہے۔ دوسری جانب اُن مجاہدین کی استقامت بھی اللہ کی نصرت کی مظہر ہے کہ جنہیں گوانتاموبے کی بدنام زمانہ جیل میں ڈال دیا گیا، اور وہاں اُن پر انسانیت سوز مظالم اور بے پناہ تشدد کیا گیا، مگر اُن کے پائے اثبات میں ذرہ برابر لغزش نہ آئی بلکہ اُن کی ایمانی کیفیت میں اور بھی اضافہ ہوا۔ وہاں انہیں سکون قلب کی دولت اور لذت عطا کی گئی۔ چنانچہ جو لوگ گوانتاموبے کے ''جہنم'' سے رہا ہوکر آئے، اُن کے احوال سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کی ایمانی حالت یہاں کے مقابلے میں زیادہ بہتر ہوگئی۔ یہ لوگ وہاں سے مرتد ہوکر نہیں آئے، نہ اپنی جدوجہد سے تائب ہوئے، بلکہ اُن کا جذبۂ جہاد اور شوق شہادت اور جوان ہوا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ سب کچھ اللہ کی مدد اور نصرت ہی کے سہارے ممکن ہے، ورنہ ایسی استقامت کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں دین حق کی راہ میں استقامت اور شہادت عطا فرمائے۔ آمین (مرتب: محبوب الحق عاجز)

میڈیا کی آزادی؟

محمد سمیع

اگر ہم میڈیا کے حوالے سے ملکی تاریخ کا جائزہ لیں تو ہمیں اندازہ ہوگا کہ یہاں میڈیا کو کبھی آزادی حاصل نہیں رہی۔ ایوب خان کا دور میڈیا پر پابندی کا بدترین دور قرار دیا جاسکتا ہے۔ نیشنل پریس ٹرسٹ کا قیام میڈیا پر پابندی کی ہی ایک صورت تھی۔ یحییٰ خان کے دورِ حکومت میں جب مشرقی پاکستان میں شورش کا آغاز ہوا تو میڈیا پر سخت ترین پریس سنسر شپ عائد کی گئی۔ میں خود اس بات کا عینی شاہد ہوں کہ اس زمانے میں ڈھاکہ میں ''پاکستان آبزرور'' سمیت دیگر اخبارات شائع ہوتے تھے تو ان خبروں کے کالمز جن پر حکومت سنسر لگاتی تھی، خالی چھوڑ دیئے جاتے تھے تاکہ قارئین کو اندازہ ہو کہ کتنی خبریں سنسر شپ کی زد میں آگئی ہیں۔ ذوالفقار علی بھٹو کے دورِ حکومت میں بھی میڈیا پر پابندیاں رہیں۔ ضیاء الحق کا دور بھی اس سے مستثنیٰ نہیں تھا۔ میاں نواز شریف کے دور میں تو ایک کثیر الاشاعت قومی اخبار سے مخصوص لکھنے والوں کو فارغ کرنے کے لیے زور دیا گیا جس کے نتیجے میں حکومت اور اس اخباری ادارے کے ساتھ شدید محاذ آرائی کی صورتحال پیدا ہوئی اور بالآخر حکومت کو گھٹنے ٹیکنے پڑے۔ بے نظیر بھٹو کے دورِ حکومت میں بھی میڈیا کو مطلوبہ آزادی حاصل نہیں ہوئی۔ البتہ موجودہ حکومت کا یہ کارنامہ تو ہے کہ اس نے میڈیا کو بھرپور آزادی دی، نہ صرف پرنٹ میڈیا کو آزادی ملی بلکہ نئے الیکٹرانک چینلز بھی متعارف کرائے گئے۔

میڈیا کی آزادی کے علمبرداروں کا یہ دعویٰ ہے کہ انھیں یہ آزادی حکومت نے طشتری میں رکھ کر پیش نہیں کی بلکہ اس کے لیے میڈیا نے طویل جدوجہد کی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کا کریڈٹ صرف چند اخبارات و رسائل کو تو دیا جاسکتا ہے جنھوں نے ہر قسم کے حالات کا مقابلہ کیا لیکن قلم کی حرمت کو برقرار رکھا، ان کے ڈیکلریشنز منسوخ کئے گئے، حکومتی اشتہارات بند کئے گئے لیکن وہ حکومت کے ہر ہتھکنڈے کا مقابلہ کرتے رہے لیکن ماضی میں میڈیا کی جانب سے اس ضمن میں کوئی اجتماعی کوشش نظر نہیں آتی۔

جس طرح فضا میں حبس بڑھ جائے تو یہ طوفان کا پیش خیمہ بن جاتا ہے اور جس طرح بند ٹوٹ جائے تو پانی کے ریلے دائیں بائیں جدھر موقع ملے بہہ نکلتے ہیں جس کے نتیجے میں تباہی برپا ہوتی ہے کچھ ایسی ہی صورت حال میڈیا کو ملنے والی آزادی کے نتیجے میں پیدا ہوئی۔ ٹی وی ٹاکس کی اتنی بھرمار ہوگئی اور ان میں ایسے ایسے میزبان اور شرکاء لائے گئے جنھوں نے عوام میں سیاسی حوالوں سے Confusions پیدا کرنے میں اہم رول ادا کیا۔ ہمارے ملک کی سیاست بالعموم جھوٹ، منافقت اور

> **فلم ''خدا کے لیے'' کی جس طرح تشہیر کی گئی اس کی میڈیا کی تاریخ میں کوئی مثال نہیں ملتی، حالانکہ اس فلم میں جس طرح اسلام کے واضح احکامات کی نفی کی گئی وہ اظہر من الشمس ہے، لیکن حکومت کو اس پر اعتراض نہیں ہوا، کیونکہ اس میں پیش کیے گئے خیالات سے اس کے نام نہاد اعتدال پسند روشن خیالی کے فلسفے کو تقویت ملتی ہے**

مکروفریب پر مبنی ہے۔ انھیں کے نمائندے ان TV ٹاکس میں آتے ہیں اور انھوں نے ایسی ہی گفتگو کرنی ہے جس سے انکی سیاست چمکتی رہے۔ ہمارے اخبارات میں جنسی اسکینڈلز، شوبز کے نام پر عریاں تصاویر کی اشاعت، گھر سے بھاگ کر شادی کرنے والوں کو ہیرو اور ہیروئن کے طور پر پیش کرکے معاشرتی اقدار کا بیڑہ غرق کرنا، ملک میں ہونے والے تشدد کے واقعات کے نتیجے میں مسخ شدہ لاشوں کے تصاویر کی اشاعت، زرد صحافت کیا کچھ نہیں ہوتا، لیکن حکومت ان سب باتوں کو برداشت کرتی رہی۔ یہ وہی میڈیا ہے جس نے حکومت کے غلط اقدامات کے لیے عوامی رائے ہموار کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ حدود آرڈیننس میں من مانی ترامیم کے لیے میڈیا کے ذریعہ منظم انداز میں ذہن سازی کی گئی۔ حدود آرڈینس میں جو ترامیم کی گئیں ان پر علماء کی جانب سے صدائے احتجاج بلند کی گئی، مگر انھیں میڈیا کا اس طرح کا تعاون حاصل نہیں ہوا، الا ماشاء اللہ۔ گویا اس قرآنی حکم کی خلاف ورزی کی گئی جس کا مفہوم یہ ہے کہ نیکی میں تعاون کرو اور گناہ اور زیادتی میں تعاون نہ کرو۔ فلم "خدا کے لیے" کی جس طرح تشہیر کی گئی اس کی میڈیا کی تاریخ میں کوئی مثال نہیں ملتی، حالانکہ اس فلم میں جس طرح اسلام کے واضح احکامات کی نفی کی گئی وہ اظہر من الشمس ہے، لیکن حکومت کو اس پر بھی اعتراض نہیں ہوا، کیونکہ اس میں پیش کئے گئے خیالات سے اس کے اعتدال پسند روشن خیالی کے فلسفے کو تقویت ملتی ہے۔ اس فلم کے پیچھے جس دانشور نے اپنے خیالات کی نمائندگی کی ہے اس کو آج کل میڈیا میں جس قدر کی پذیرائی حاصل ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کے یہ سارا کچھ اس اسکیم کے تحت ہے جو امریکی تھنک ٹینک کی جانب سے اپنی حکومت کو پیش کئے جانے والے مشوروں میں شامل ہے، یعنی ماڈرنسٹ طبقے کو زیادہ سے زیادہ میڈیا پر لایا جائے تاکہ یہ لوگ مغرب کی مرضی کے مطابق دین اسلام کے تشریح پیش کرسکیں۔ ہاں جب میڈیا نے حکومت کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا تو اس پر اسی طرح پابندی عائد کردی گئی جس طرح عدلیہ کے ان ججوں پر عائد کی گئی ہے جنھوں نے PCO کے تحت حلف اٹھانے سے انکار کردیا۔ دراصل مغرب کے جس نظام کو ہم نے اختیار کیا ہوا ہے اس کے نتیجے میں وہی کچھ ہوگا جو نظر آرہا ہے۔

اسلام نے اپنے نظام میں آزادی اور پابندی کا ایک حسین امتزاج قائم کیا ہے۔ ایک حدیث مبارکہ کا مفہوم یہ ہے کہ "مومن کی مثال اس گھوڑے کی سی ہے جو ایک کھونٹے سے بندھا ہوا ہو" گھوڑے کو اس دائرے کے اندر آزادی حاصل ہوگی جو اس رسی کی طوالت سے بنتا ہے جس کے ذریعہ گھوڑا کھونٹے سے بندھا ہوا ہے۔ اس دائرہ میں چاہے وہ کھڑا رہے، بیٹھ جائے، دوڑے، یہ سب کچھ اس کے اختیار میں ہے۔ وہ رسی تڑا کر بھاگ نہیں سکتا۔ یہ حدیث مبارکہ جس طرح ایک مومن کو رہنمائی عطا کرتی ہے اسی طرح یہ ایک اسلامی معاشرے کو بھی رہنمائی فراہم کرتی ہے۔ بندۂ مومن اور اسلامی معاشرہ دونوں شریعت کے کھونٹے سے بندھے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ نور میں فرمایا جس کا مفہوم یہ ہے کہ جو لوگ (باقی صفحہ 17 پر)

قربانی

خرم مراد

عیدالاضحیٰ کے موقع پر مسلمان سنت ابراہیمی کی یاد تازہ کرتے ہیں، اور اللہ کی راہ میں اپنی جان تک قربان کرنے کا عہد کرتے ہیں۔ اس موقع پر ماہنامہ ترجمان القرآن میں شائع شدہ محترم خرم مراد کی ایک انگریزی مطبوعہ تقریر Sacrifice کا ایک حصہ پیش کیا جا رہا ہے۔ (ادارہ)

قربانی کا کیا مطلب ہے؟ ہمیں کس چیز کی قربانی دینا چاہیے؟ کون سی قربانیاں دینا زیادہ مشکل ہے؟ کن قربانیوں کو عظیم قرار دیا جانا چاہیے؟

قربانی کا صاف اور سیدھا مطلب یہ ہے کہ ہم جن چیزوں سے محبت کرتے ہیں، جن کی ہماری نظروں میں کچھ قدر ہے، وہ اس وقت ہماری ہوں، یا ہم مستقبل میں انہیں حاصل کرنے کی تمنا اور امید کرتے ہوں، انہیں چھوڑ دیں۔

یہ چیزیں محسوس اور مادی ہو سکتی ہیں، یا غیر مادی اور تصوراتی۔ مادی چیزوں میں وقت، مال، دنیاوی اشیاء، جسمانی صلاحیتیں اور زندگی اہم ہیں۔ اہم تصوراتی اشیاء میں ہماری محبت، خاص طور پر خاندان سے تعلقات، پسند و ناپسند، ترجیحات و تعصبات، نقطۂ نظر اور رائے، خواہشات اور تمنائیں، آرام و آسائش، مقام و منصب یا ہماری اَنا شامل ہیں۔

قربانی کا مفہوم صحیح طور پر سمجھنے کے لیے تین اصول پیش نظر رہنے چاہئیں:

اول: کسی چیز کے چھوڑنے کو اسی وقت قربانی کہا جا سکتا ہے، جب کہ ہم اس سے محبت کرتے ہوں اور اس کے قدردان ہوں۔ اس لیے مادی اور غیر مادی اشیاء کے درمیان امتیاز کی لکیر کھینچنا مشکل ہے۔ آخری تجزیے میں ہر قربانی، محبت اور قیمتی چیز کی قربانی ہے۔ جب ہم مال، یا زندگی، یا کوئی تعلق اللہ کی خاطر قربان کرتے ہیں تو جو شے ہم درحقیقت قربان کرتے ہیں جو اسے ایک قربانی بناتا ہے، وہ مال، زندگی یا رشتے دار کے لیے ہماری محبت ہے، نہ کہ اصل شے۔

دوم: مادی کے مقابلے میں غیر مادی اشیاء کو قربان کرنا زیادہ مشکل لیکن زیادہ ضروری ہے۔

سوم: ہم کسی ایسی چیز کو جس سے ہم محبت کرتے ہیں اور جس کی قدر کرتے ہیں۔ کسی ایسی چیز کے لیے ہی قربان کر سکتے ہیں جس سے ہم اس سے زیادہ محبت کرتے ہوں اور اس سے زیادہ قدر کرتے ہوں۔

مادی قربانیاں

ٹھوس اشیاء کی قربانیوں کی ضرورت اور اہمیت ہم جانتے پہچانتے ہیں اور تسلیم کرتے ہیں خواہ بعض وقت یہ قربانیاں نہ دے سکیں، یا دینے میں بہت مشکل محسوس کریں۔ لیکن جب ہم ایک دفعہ کسی مقصد سے وابستہ ہو جائیں تو اپنے وقت اور مال پر ان میں سے ہر ایک کی قربانی دینا ہوتی ہے۔ اسی لیے ہمیں ذرا ٹھہر کر ان کی اہم خصوصیات پر غور کرنا چاہیے۔

وقت

وقت ہماری سب سے قیمتی شے ہے۔ ہم زندگی میں جس چیز کی بھی خواہش کریں، اسے وقت لگائے بغیر حاصل نہیں کر سکتے۔ ہم اپنا وقت، مسرت حاصل کرنے میں، پیسہ کمانے میں، دنیاوی اشیاء حاصل کرنے میں، کام کرنے میں، مزے اٹھانے میں یا محض کاہلی میں کچھ نہ کر کے بھی گزار سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سے، جس چیز کا سب سے پہلے مطالبہ کرتا ہے، وہ وقت ہے۔ اللہ کی راہ میں جدوجہد کرنے کے لیے وقت کی ضرورت ہوتی ہے۔ نماز پڑھنے میں وقت لگتا ہے۔ دعوت کا کام کرنے میں وقت خرچ ہوتا ہے۔ قرآن پڑھنے میں وقت صرف ہوتا ہے۔ مریض کی عیادت کرنے کے لیے بھی وقت چاہیے ہوتا ہے۔ ہمیں اپنا ہر لمحہ اللہ کی رضا کے حصول میں صرف کرنا چاہیے۔

لیکن اگر آپ ذرا گہرائی میں جا کر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ آپ سے دراصل جس چیز کی قربانی مانگی جا رہی ہے، وہ وقت نہیں بلکہ وہ اشیاء ہیں جن کے حصول میں آپ کا وقت خرچ ہوتا ہے۔ وہ اشیاء جو آپ کی زندگی کے مقاصد کے خلاف ہوں، بے معنی، غیر اہم، یا اللہ کی خاطر کیے جانے والے کاموں سے کم اہم ہیں۔ اسلام کے لیے وقت دینے کے لیے، آپ کو سب سے پہلے وہ بہت سی اشیاء قربان کرنے کے لیے تیار ہونا چاہیے جن پر آپ کا وقت لگتا ہے۔

آپ اپنے آپ کو ان چیزوں کی قربانی کے لیے اور اپنا وقت اللہ کے لیے دینے پر کس طرح آمادہ کریں؟

یاد رکھیے کہ وقت ایک ایسی چیز ہے، جس کو آپ ایک لحظہ بھی نہیں ٹھہرا سکتے۔ جس طرح بھی چاہیں آپ اسے صرف کریں، یہ مسلسل آپ کے ہاتھ سے پھسلتا رہے گا۔ آپ کے لیے اس کی قیمت وہی ہے جو آپ اس سے حاصل کریں۔ وقت پگھل جائے گا، جو آپ اس سے حاصل کریں گے، وہ آپ کے ساتھ رہے گا۔

ہر لمحے اس امر کو پیش نظر رکھیے کہ وقت کا ہر لحہ ہمیشہ کی مسرت یا نہ ختم ہونے والی تکلیف میں تبدیل ہو سکتا ہے۔ یہ اس پر منحصر ہے کہ آپ اسے کس طرح صرف کرنا پسند کرتے ہیں۔ اس امر کا استحضار وقت کی قربانی دینے میں آپ کو سب سے زیادہ طاقت فراہم کرے گا۔ وہ لمحات جن کو آپ آج اپنی گرفت میں نہیں رکھ سکتے، کل آپ کو اس طرح ملیں گے کہ کبھی جدا نہ ہوں گے۔ پھر آپ ایسی چیزوں کا حصول کیوں نہ قربان کر دیں جو نہ ختم ہونے والی تکلیف اور پچھتاوے میں تبدیل ہو جائیں گی۔

جب وقت گزر رہا ہو تو آپ غور کیجیے: آپ کیا پا رہے ہیں..... کوئی عارضی یا مستقل چیز؟ مسرت یا پچھتاوا؟ آپ کے وقت میں اسلام کو کتنی ترجیح حاصل ہے؟ وقت کس تناسب سے اللہ کی راہ میں لگتا ہے؟ ''اور ہر شخص یہ دیکھے کہ اس نے کل کے لیے کیا سامان کیا ہے۔'' (الحشر: 18)

اللہ کی راہ میں وقت کی قربانی اسلام کا جوہر ہے۔ جب بھی طلب کیا جائے، آپ کو حاضر ہونا چاہیے۔ اس لئے، آپ کو اپنے آپ کو مسلسل تربیت دینا چاہیے کہ اللہ کی راہ میں وقت دے کر، ہر چیز کی قربانی دے سکیں۔ یہ صفت آپ کے کردار پر، دن میں پانچ دفعہ نقش کی جاتی ہے۔ جمعہ کے دن آپ کو اس طرح بیدار کیا ہے:

> ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو، جب پکارا جائے نماز کے لیے جمعہ کے دن، تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو اور خرید و فروخت چھوڑ دو، یہ تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے اگر تم جانو۔'' (الجمعہ: 9)

مال اور دنیاوی اشیاء

آپ کا بیش تر وقت مال کے یا مال کے ذریعے حاصل ہونے والی دنیاوی اشیاء کے حصول کی کوشش میں صرف ہو جاتا ہے: ''لوگوں کے لیے مرغوباتِ نفس: عورتیں، اولاد، سونے چاندی کے ڈھیر، چیدہ گھوڑے، مویشی اور زرعی زمینیں بڑی خوش آئند بنا دی گئی ہیں۔'' (آل عمران: 14)

یاد رکھئے کہ دنیاوی اشیاء کی یہ محبت اور خواہش نہ قابلِ مذمت ہے، نہ بری ہے۔ قران کی تعلیم یہ ہے کہ یہ دنیا اپنی اصل میں شر، یا خرابی نہیں ہے۔ دولت اور مال کو برا نہیں سمجھا جاتا۔ اسے خیر (اچھا) کہتے ہیں جو ایک بالکل درست بات ہے۔ اس لیے کہ اللہ اور دوسری دنیا کی نعمتوں اور برکتوں کی طرف جانے والا راستہ اس دنیا سے گزر کر جاتا ہے۔ اگر ہم اس دنیا کو ترک کر دیں، تو ہمارے پاس ان نعمتوں اور بیش بہا خزانوں کو حاصل کرنے کے لیے کچھ نہیں بچتا۔ بلاشبہ اللہ کی رضا اور اس دنیا کے حصول کا واحد ذریعہ اور بنیاد یہی ہے۔

جو چیز اس دنیا کو شر، یا برائی بناتی ہے وہ یہ ہے کہ ہم یہ بھول جاتے ہیں کہ اس دنیا کے عارضی دورانیے کے لیے یہ سب کچھ ہمیں اُس دنیا کے حقیقی اور مستقل مقاصد لیے دیا گیا، جو ہر اس چیز سے بہتر ہے جو یہ دنیا دے سکتی ہے۔ جب ذرائع مقاصد بن جائیں، تو حقیقی قدر و قیمت کی اشیاء کے بجائے ہمارے حصے میں دنیاوی تکالیف آتی ہیں۔

قرآن آگے کہتا ہے:

''مگر یہ سب دنیا کی چند روزہ زندگی کے سامان ہیں۔ حقیقت میں جو بہتر ٹھکانا ہے، وہ تو اللہ کے پاس ہے۔ کہو: میں تمہیں بتاؤں کہ ان سے زیادہ اچھی چیز کیا ہے؟ جو لوگ تقویٰ کی روش اختیار کریں، ان کے لیے ان کے رب کے پاس باغ ہیں، جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، وہاں انہیں ہیشگی کی زندگی حاصل ہوگی، پاکیزہ بیویاں ان کی رفیق ہوں گی اور اللہ کی رضا سے وہ سرفراز ہوں گے۔'' (آل عمران:15,14)

اللہ کی راہ میں دنیاوی اشیاء کی قربانی دینا آسان نہیں ہے۔ جب واقعی قربانی کا موقع آئے تو بہت سے لڑکھڑا جاتے ہیں اور ناکام رہتے ہیں۔ کچھ باتوں کا یاد رکھنا، ان مشکل قربانیوں کو دینے میں آسانی پیدا کرے گا۔

اوّل: کوئی چیز بھی آپ کی نہیں ہے، ہر چیز اللہ کی ہے۔ جب آپ کوئی چیز اللہ کی راہ میں قربان کرتے ہیں تو دراصل اسے اس کے اصل مالک کی طرف لوٹا رہے ہوتے ہیں: ''آسمانوں اور زمین میں ہر چیز اللہ ہی کی ہے۔''

دوم: دنیاوی چیزوں کو آپ کتنا ہی زیادہ قدر و قیمت کا حامل کیوں نہ سمجھیں، آخری سانس کے ساتھ ہی سب کچھ ختم ہو جائے گا۔

''جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ خرچ ہو جانے والا ہے اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہی باقی رہنے والا ہے، اور ہم ضرور صبر سے کام لینے والوں کو ان کے اجر ان کے بہترین اعمال کے مطابق دیں گے۔'' (النحل:96)

''اور اے نبی ﷺ! انہیں حیاتِ دنیا کی حقیقت اس مثال سے سمجھاؤ کہ آج ہم نے آسمان سے پانی برسا دیا تو زمین کی پود خوب گھنی ہوگئی، اور کل وہی نباتات بھُس بن کر رہ گئی، جسے ہوائیں اڑائے لیے پھرتی ہیں۔ اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ یہ مال اور یہ اولاد محض دنیوی زندگی کی ایک ہنگامی آرائش (زینت) ہے۔ اصل میں تو باقی رہ جانے والی نیکیاں ہی تیرے رب کے نزدیک نتیجے کے لحاظ سے بہتر ہیں اور اُنہی سے اچھی امیدیں وابستہ کی جاسکتی ہیں۔ (الکھف:45,46)

سوم: صرف اللہ کی راہ میں دینے سے آپ اسے کئی گنا زیادہ واپس پاسکتے ہیں۔

''اور اللہ کو اچھا قرض دیتے رہو۔ جو کچھ بھلائی تم اپنے لیے آگے بھیجو گے، اسے اللہ کی ہاں موجود پاؤ گے، وہی زیادہ بہتر ہے اور اس کا اجر بہت بڑا ہے۔ اللہ سے مغفرت مانگتے رہو، بے شک اللہ بڑا غفور رحیم ہے۔ (المزمل:20)

ہر قربانی محبت اور قیمتی چیز کی قربانی ہے۔ جب ہم مال، یا زندگی، یا کوئی تعلق اللہ کی خاطر قربان کرتے ہیں تو جو شے ہم درحقیقت قربان کرتے ہیں جو اسے ایک قربانی بناتا ہے، وہ مال، زندگی یا رشتے دار کے لیے ہماری محبت ہے، نہ کہ اصل شے

''جو لوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں صرف کرتے ہیں، ان کے خرچ کی مثال ایسی ہے جیسے ایک دانہ بویا جائے اور اس سے سات بالیں نکلیں اور ہر بالی میں سو دانے ہوں۔ اس طرح اللہ جس کے عمل کو چاہتا ہے، افزونی عطا فرماتا ہے۔ وہ فراخ دست بھی ہے اور علیم بھی۔ (البقرہ:261)

ایک لمحے لیے سوچیے!

اسلام سے وابستگی کے آپ کے دعوؤں کی کیا وقعت ہے اگر آپ کھانے پینے اور سگریٹ نوشی پر اپنے مقصد سے زیادہ خرچ کریں۔ اللہ کے وعدوں پر آپ کے یقین کی کیا حقیقت ہے اگر دنیا میں نفع کی ذرا سی بھی اُمید آپ کو اپنی کُل رقم کسی بزنس میں لگانے کے لیے آمادہ کرتی ہے، جب کہ 700 گنا رقم کا وعدہ...... جو کبھی واپس نہ لی جائے گی، آپ کا بٹوا نہیں کھلوا سکتا۔ آپ اپنی زندگی میں اسلام کے مقام کا تعین یہ جائزہ لے کر کر سکتے ہیں کہ آپ اپنی دولت کس تناسب سے اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔

مال کی قربانی کبھی آسان نہیں رہی۔ لیکن ہمارا دور تو ایسا دور ہے کہ جس میں صرف بہتر معیارِ زندگی، مزہ اور مسرت، صارفیت اور مادی اشیاء ہی زندگی کے مقصد بن چکے ہیں۔ اس لیے آپ دیکھ بھال کر جائزہ لیں کہ کہیں آپ اس لحاظ سے ناکام نہ ہو جائیں۔

زندگی

ایک وقت آسکتا ہے جب آپ سے اللہ کی راہ میں جان کی قربانی طلب کی جائے۔ اس طرح جان دینا، شہادت کی اعلیٰ ترین قسم ہے۔ اس کے بعد آپ شہید کہلانے کا حق رکھتے ہیں۔ آپ کی زندگی، آپ کی قیمتی ترین متاع ہے۔ اس کی قربانی کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی زندگی جو کچھ دیتی ہے، یا دے سکتی ہے، تمام مادی اور غیر مادی اشیاء جن کا پہلے ذکر ہوا ہے، آپ سب کچھ قربان کرنے کے لیے تیار رہیں۔

جب یہ احساس ہو جائے کہ زندگی آپ کی نہیں، اللہ کی ملکیت ہے اور جو اس کا ہے، وہ آپ کو اسے دینا چاہیے تو آپ اللہ کی راہ میں جان دینے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ آپ کو یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ موت سے نہ تو آپ بچ سکتے ہیں، نہ فرار اختیار کر سکتے ہیں۔ یہ ہمیشہ مقررہ وقت پر، طے شدہ مقام پر، طے شدہ طریقے سے آئے گی۔ (آل عمران:185,145)

آپ کو یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ جو اللہ کی راہ میں شہید ہوتے ہیں وہ اپنی موت سے ماورا، اپنے لئے، اپنی برادری کے لئے، اپنے مشن کے لئے ہمیشہ کی زندگی حاصل کر لیتے ہیں۔ (النساء:178)

''اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جائیں، انہیں مردہ نہ کہو، ایسے لوگ تو حقیقت میں زندہ ہیں، مگر تمہیں اُن کی زندگی کا شعور نہیں ہوتا۔'' (البقرہ:155)

اس دنیا کی زندگی سے محبت نہ ہونا چاہیے، موت کا خوف نہ ہونا چاہیے، تب ہی آپ وہ طاقت حاصل کریں گے جو اپنی جان قربان کرنے کے لیے چاہیے۔ یہ صرف موت کے لیے آمادہ ہونا ہے جس سے آپ دشمن طاقتوں پر غلبہ پا سکتے ہیں۔ تب ہی کامیابی کے دروازے کھلیں گے۔ آپ مر کر زندگی حاصل کرتے ہیں، اپنے لیے، اور اپنی برادری کے لیے۔ اگر آپ مرنے کے لیے تیار نہیں، تو آپ کو زندہ رہنے کا حق نہیں رہتا، کم سے کم ایک برادری کے طور پر۔

ہم میں سے ہر ایک سے جان کی قربانی کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا، لیکن اس کی تمنا ہر دل میں ہونی چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ شخص جو نہ اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہے، نہ جہاد کے بارے میں سوچتا ہے، منافق کی موت مرے گا (مسلم)۔ آپؐ نے یہ بھی فرمایا: اس ہستی کی قسم! جس کے قبضے میں میری جان ہے، مجھے یہ پسند ہے کہ میں اللہ کی راہ میں مارا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر مارا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں تا کہ ایک دفعہ پھر اللہ کی راہ میں جان دے سکوں۔ (متفق علیہ)

ڈسپلن

مولانا محمد اسلم شیخوپوری

اگر ہم ڈسپلن اور تعلیم و تربیت میں غلطیاں کرتے رہے اور اپنی استعداد کا اندازہ لگانے میں ٹھوکریں کھاتے رہے تو حوادث اور سانحات جنم لیتے رہیں گے جیسے کہ جنم لے رہے ہیں

کیا وہ افراد جن کی زندگی ہر قسم کے نظم و ضبط سے عاری ہے، وہ دنیا میں کوئی بڑا کارنامہ سرانجام دے سکتے ہیں؟ کیا وہ جماعتیں اور قومیں جن کے کارکنوں اور افراد میں ڈسپلن نام کی کوئی چیز نہیں وہ انقلاب برپا کرنے کا نعرہ لگانے میں حق بجانب ہیں؟ ان دونوں سوالوں کا جواب تلاش کرنے کے لیے تاریخ کی کتابیں اور انقلاب کے موضوع پر لکھے گئے لٹریچر کے مطالعہ کی ضرورت نہیں۔ ہر عقل مند انسان ان کا جواب نفی ہی میں دے گا۔ ان کے ساتھ ایک سوال اور ملا لیجئے وہ یہ کہ ملکِ عزیز بلکہ پورے عالمِ اسلام میں جتنی بھی جماعتیں مصروفِ عمل ہیں کیا ان میں کوئی ایک جماعت بھی ایسی ہے جس نے اپنے کارکنوں کی کردار سازی کے سارے تقاضے پورے کیے ہوں۔ ان میں مثالی قسم کا ڈسپلن پایا جاتا ہو۔ وہ ایک دوسرے کی ٹانگ کھینچتے ہوں نہ ہی عہدوں کے حریص ہوں۔ جلسے اور جلوس میں ان کا نظم وضبط اور رکھ رکھاؤ اعلیٰ انداز کا ہو۔ وہ کتنے ہی اشتعال میں کیوں نہ ہوں جماعت کی اجازت کے بغیر نہ گالم گلوچ کریں، نہ کسی مخالف پر سنگ باری کریں۔ ان کے ہاتھوں کوئی گاڑی جلے نہ کسی عمارت کو نقصان پہنچے۔ انہیں جب حرکت میں آنے کے لیے کہا جائے تو وہ سکون کو اپنے اوپر حرام کرلیں اور جب سکون کے ساتھ رہنے کا حکم دیا جائے تو یوں ہو جائیں گویا جسم میں جان نہیں۔ وہ بیک وقت راہب بھی ہوں اور مجاہد بھی۔ تاجر بھی ہوں اور عبادت گزار بھی۔ متحرک بھی ہوں اور ساکن بھی۔ ان میں ہر فرد، اطاعت امیر کا خوگر ہو۔ اس طویل سوال کا جواب بھی یقیناً نفی ہی میں ہوگا۔

ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمیں اس جماعت کے ڈسپلن سے ضرور سبق حاصل کرنا چاہیے جو ہمارے آقا ﷺ نے تیار کی تھی۔ آپ اس جماعت کی صرف مکی زندگی ہی کا جائزہ لے لیجیے۔ جب انہوں نے شرک اور بت پرستی پر مبنی آبائی مذہب چھوڑ کر اسلام قبول کیا تھا تو اُس کے نتیجے میں انہیں انسانیت سوز مظالم کا نشانہ بنایا گیا۔ کسی کی ٹانگوں میں رسی باندھ کر گلیوں میں گھسیٹا گیا۔ کسی کو تپتی ریت پر لٹا کر سینے کے اوپر بھاری چٹان رکھ دی گئی۔ کسی کو دہکتے انگاروں پر لیٹنے پر مجبور کیا گیا۔ کسی کو قبولِ ایمان کی پاداش میں کوڑوں کی ضربیں سہنی پڑیں۔ کسی کے کانوں نے ایسی گالیاں سنیں جنہیں سن کر وہ خاموش رہنے کے عادی نہ تھے۔ اینٹ کا جواب پتھر سے دینا ان کی قومی روایت تھی۔ انتقام ان کی فطرت کا حصہ تھا۔ مائیں اپنے معصوم بچوں کو پال پوس کر جوان کرتی تھیں تاکہ وہ سالہا سال پہلے قتل ہونے والے اپنے باپ کے خون کا بدلہ لے سکیں۔ تختۂ مشق بننے والے مسلمانوں کے دل میں بھی انتقامی جذبات سر اُٹھاتے تھے اور دل میں یہ خواہش مچلتی تھی

> **اگر آج ہم کفر والحاد سے معرکہ آرائی کا جذبہ دل میں رکھتے ہیں تو ہمیں تعلیم و تربیت اور ڈسپلن کے سارے تقاضے پورے کرنے ہوں گے جبکہ مسلسل دیکھنے میں یہ آرہا ہے کہ جوشیلے بیانات اور جذباتی نعرے سننے کے بعد کارکن کنٹرول میں نہیں رہتے**

کہ اگر ہمیں ہمارے آقا ﷺ کی اجازت مرحمت فرما دیں تو ہم بھی ستم گروں کے جواب میں ہاتھ اُٹھائیں۔ دو کے جواب میں دو نہ مار سکیں تو ایک ہی سہی مگر انہیں حکم یہ دیا جا رہا تھا کہ پٹتے رہو، ستم سہتے رہو مگر ہاتھ اُٹھانے کی اجازت نہیں۔ علماء نے اس بارے میں بحث کی ہے کہ مکی زندگی میں جبر و تشدد کا نشانہ بننے کے باوجود مسلمانوں کو جہاد کی اجازت نہ دینے میں کیا حکمت تھی؟ سوال کے کئی جوابات دیے گئے ہیں: مثلاً: یہ کہ یہ تربیت اور تیاری کا زمانہ تھا جس کے اہداف میں سے سب سے بڑا ہدف یہ تھا کہ انہیں مشکلات میں صبر کرنے کی عادت ڈالی جائے۔ انہیں اپنے اعصاب پر مکمل کنٹرول ہو۔ اشتعال انگیز حرکت کی صورت میں وہ آپے سے باہر نہ ہو جائیں۔ ان کی ذات اور ان کے جذبات ان پر حاکم نہ ہوں بلکہ وہ اپنے جذبات کو جماعت کے مفادات اور امیر کے احکام کے تابع کر دیں۔ وہ وقت سے پہلے نتائج کے حصول کی اُمید نہ رکھیں۔ ان کا ڈسپلن مثالی ہو۔ انہیں جب اقدام کے لیے کہا جائے تو وہ پیچھے نہ ہٹیں اور جب روک دیا جائے تو ان کا ایک قدم بھی حد سے تجاوز نہ کرے۔

دوسری حکمت یہ بیان کی گئی ہے کہ عربوں کی تاریخ یہ بتاتی ہے کہ وہ اپنی تمام خرابیوں کے باوجود ہمیشہ مظلوم کے حامی رہے۔ خصوصاً اس وقت جب وہ دیکھتے کہ مظلوم شریف بھی ہے اور حق پر بھی ہے۔ اس کے باوجود اسے ظلم کا نشانہ بنایا جا رہا ہے اور وہ ظلم سہنے کے باوجود حق پر جما ہوا ہے تو عربوں کی خودداری و شرافت سے بعید تھا کہ وہ ظلم کے خلاف آواز نہ اُٹھائیں اور کسی نہ کسی انداز میں مظلوم کا ساتھ نہ دیں۔ سارے نہیں تو ان میں سے کوئی نہ کوئی تو عزیمت کا ثبوت ضرور دیتا تھا۔ بعثت سے قبل حلف الفضول کے عنوان سے جو مشہور معاہدہ ہوا تھا اور جس میں ہمارے آقا ﷺ بھی شریک ہوئے تھے اس معاہدہ کی بنیاد بھی تو اسی پر تھی کہ مسافروں، غریبوں اور بے سہارا افراد کے ساتھ ہونے والی زیادتیوں اور لوٹ مار کے خلاف آواز اُٹھائی جائے گی اور ظلم کا راستہ روکا جائے گا۔ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کا ارادہ فرما لیا تو ابن دغنہ نے مذہبی اور نظریاتی اختلاف کے باوجود کہا تھا کہ عربوں کے لیے نہایت شرم کی بات ہے کہ آپ جیسا اعلیٰ اخلاق کا حامل انسان دست درازیوں سے تنگ آ کر وطن چھوڑنے کے لیے تیار ہو جائے۔ چنانچہ اس نے حتی الامکان آپ کا ساتھ دیا۔

تیسری حکمت یہ بیان کی جاتی ہے کہ مکہ میں مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی اور جزیرۃ العرب کے دوسرے علاقوں تک ان کی دعوت نہیں پہنچی تھی، اگر پہنچی بھی تھی تو وہ کچی پکی خبروں پر مشتمل تھی۔ دور دراز علاقوں میں رہنے والے یہ سمجھ رہے تھے، شاید یہ کوئی سرداروں کا جھگڑا اور قریش کا اندرونی اختلاف ہے۔ چند افراد جو حلقہ بگوش اسلام ہوئے تھے وہ بھی ٹھیک طرح سے اسلامی تعلیمات کو نہیں سمجھ سکے تھے۔ قرآن کا بہت مختصر حصہ نازل ہوا تھا۔ بیشتر احکام و مسائل ابھی سامنے ہی نہیں آئے تھے۔ ان حالات میں جب کہ دعوت کا حلقہ محدود تھا، تعداد بھی بہت تھوڑی تھی اور تربیت کا حق ادا نہیں ہو سکا تھا، اگر ہاتھ اُٹھانے اور دشمن پر حملہ کرنے کی اجازت دے دی جاتی تو منہ زور دشمن اس چھوٹی سی اقلیت کو کچل کر رکھ دیتا۔ اسلام کی یہ مختصر سی فوج صفحۂ ہستی سے مٹ جاتی (باقی صفحہ 19 پر)

ترکی میں سیکولرازم اور اسلام کی کشمکش

سید قاسم محمود

ترکی کے اسلام پسند وزیراعظم پروفیسر نجم الدین اربکان نے اقتدار سنبھالنے کے بعد انتہائی دانش مندی اور فراست کا مظاہرہ کیا۔ اُنہوں نے امریکا یا یورپی یونین سے سیاسی یا تجارتی تعلقات منقطع کرنے کی بجائے ترکی سے دوستی کی دعوے دار مغربی حکومتوں سے برابری کی سطح پر گفت وشنید کی۔ ترکی نے اپریل 1987ء میں یورپی یونین کی مکمل رُکنیت حاصل کرنے کی درخواست دی تھی، لیکن ابھی تک اُسے رُکنیت نہیں دی گئی، البتہ بعض یورپی ممالک کی جانب سے نیم دلانہ رضامندی کا اظہار ہوتا رہا ہے، لیکن زیادہ تعداد اُن ممالک کی ہے جو ترکی کو محض اس لیے مکمل رُکنیت دینے کے خلاف ہیں کہ وہ اسلامی ملک ہے۔ مثلاً ہالینڈ کے وزیر خارجہ نے یورپی پارلیمنٹ میں تقریر کرتے ہوئے کہا:

> ''اب وقت آ گیا ہے کہ ہم دیانت داری سے کام لیں اور اپنے پڑوسی اور ناٹو کے حلیف ترکی کو صاف صاف بتا دیں کہ اسے یورپی یونین میں داخلہ کیوں نہیں دیا جا سکتا۔ مسئلہ یہ ہے کہ ترکی ایک بڑی مملکت ہے، لیکن وہ بڑی اسلامی مملکت ہے۔ کیا ہم بڑی مسلم مملکت کا وجود یورپ میں پسند کریں گے؟''

ترکی کی جانب سے اس کا ردِعمل بھی قابلِ ذکر ہے۔ مثلاً 14 دسمبر 1996ء کو ڈبلن (آئرلینڈ) میں یورپی یونین کی سربراہ کانفرنس کے عشائیہ میں اربکان کو مدعو کیا گیا تو انہوں نے یہ کہہ کر شرکت سے معذرت کر دی:

> ''مجھے آپ کے ساتھ کھانا کھانے میں بڑی مسرت ہو گی، بشرطیکہ آپ اور آپ کے دوست ہمارے ساتھ مساوی یورپی شریک کی حیثیت سے گفتگو کرنے کے لیے تیار ہوں۔''

31 دسمبر 1995ء کو یورپی پارلیمنٹ نے 149 کے مقابلے میں 549 ووٹوں کی اکثریت سے، ترکی کی ''یورپی کسٹمز یونین'' کی رُکنیت یہ جتا کر منظور کی تھی کہ:

> ''یہ رُکنیت ترکی کو اسلام کے اثرات سے بچانے کی خاطر، بوجھل دل کے ساتھ قبول کر رہے ہیں۔''

لیکن پروفیسر اربکان کے رویے کے برعکس، اُس وقت کی وزیراعظم تانسو چیلر یورپی ممالک کے علاوہ امریکا اور اسرائیل کی احسان مند ہوئیں۔ محترمہ کا خیال تھا کہ اس طرح یورپی یونین کی مکمل رُکنیت کی راہ ہموار ہو رہی ہے، حالانکہ 1996ء کے دوران میں یورپی یونین کی وجہ سے ترکی کی ٹیکس کی آمدنی میں پانچ ارب ڈالر کی کمی ہوئی اور یورپی یونین کے ممالک سے تجارت میں مزید پانچ ارب کا نقصان ہُوا۔ لیکن پروفیسر اربکان نے وزارتِ عظمیٰ کا منصب سنبھالنے کے بعد کہا تھا:

> ''ہم یورپی یونین میں داخلے کی بھیک مانگنے نہیں جائیں گے۔ اگر وہ چاہتے ہیں تو ہماری رُکنیت منظور کریں اور اگر نہیں چاہتے تو ہمیں کوئی پروا نہیں۔ ہم ایشیا اور افریقہ کے ممالک کے سے تعلقات کو ترجیح دیں گے''

> **ہالینڈ کے وزیرخارجہ نے کہا:**
> **''اب وقت آ گیا ہے کہ ہم ترکی کو صاف صاف بتا دیں کہ اسے یورپی یونین میں داخلہ کیوں نہیں دیا جا سکتا۔ مسئلہ یہ ہے کہ ترکی ایک بڑی مملکت ہے، لیکن وہ بڑی اسلامی مملکت ہے۔ کیا ہم بڑی مسلم مملکت کا وجود یورپ میں پسند کریں گے؟''**

اسلامی ممالک سے تعلقات

وزیراعظم اربکان نے الجزائر سے انڈونیشیا تک ایک ارب مسلمانوں کی ''اقتصادی برادری'' منظم کرنے کے لیے عملی اقدامات کیے۔ انہوں نے مسلم ممالک کے دورے کیے اور اُنہیں ''نئی دُنیا'' کے نئے امریکی نظام میں اپنا مقام حاصل کرنے کی اجتماعی حکمتِ عملی اختیار کرنے کی ترغیب دی۔ اُن کی دعوت پر جنوری 1997ء میں انقرہ میں انڈونیشیا، ملائیشیا، بنگلہ دیش، پاکستان، ایران، مصر اور نائیجیریا کے وزرائے خارجہ جمع ہوئے اور ترقی پذیر ممالک کا گروپ بنانے کا فیصلہ کیا۔ اعلان کیا گیا کہ یہ آٹھ مسلم ممالک (D-8) پوری انسانیت کے لیے منصفانہ نظام کی ضمانت دے سکتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ترکی نے اپنی مغرب نواز پالیسی کو برقرار رکھتے ہوئے، اپنے مفادات کے تحفظ کے لیے کچھ اقدامات کیے ہیں۔ ترکی نے ایران کے ساتھ 23 ارب ڈالر کی گیس خریدنے کا معاہدہ کیا۔ ٹینکروں کی بجائے پائپ لائن کے ذریعے گیس کی سپلائی شروع ہوئی، جس سے ترکی کو 30 فیصد بچت ہوئی۔ اس معاہدے پر امریکا ترکی اور ایران دونوں مسلم ملکوں سے خفا ہو گیا۔ امریکی حکومت کا کہنا تھا کہ ہم نے ایران پر جو پابندیاں عائد کر رکھی ہیں، ترکی نے اُن کو توڑا ہے۔ ترکی نے یمن، نائیجیریا اور مصر سے بھی گیس خریدنے کے معاہدے کیے، جس پر اسرائیل کو شکایت ہوئی۔

اسرائیل کی شکایت کا ازالہ کرنے کے لیے ترکی کے چیف آف جنرل سٹاف جنرل حقی کارادائی فروری 1997ء میں اسرائیل گئے اور اپنی منتخب سیاسی حکومت کو اعتماد میں لیے بغیر دونوں ممالک کے ''حقیقی اخلاقی اور جذباتی تعلقات'' کو خراجِ تحسین پیش کیا۔ 27 فروری کو جنرل صاحب اسرائیل یاترا کے بعد ترکی واپس آئے۔ 28 فروری کو قومی سلامتی کونسل کا اجلاس ہُوا جو 9 گھنٹے تک جاری رہا۔ یکم مارچ کو وزیراعظم کے ہاتھ میں ایک 24 نکاتی ایجنڈا تھما دیا گیا، جس میں ملک کے اندر مذہبی سوتوں کو خشک کرنے اور سیکولر حکومت کو بحال کرنے پر زور دیا گیا تھا۔

پروفیسر اربکان اور اُن کی رفاہ پارٹی کی متعدل حکمتِ عملی اور نفاذِ اسلام کا بتدریج خاموش طریق کار بھی اسے بہت مہنگا پڑا۔ وزیر قانون وانصاف نے یہ تجویز رکھی کہ ایسے قیدیوں کو رہا کر دیا جائے جن کو نصف قرآن حفظ ہے اور ان لوگوں کی سزا میں کچھ تخفیف کر دی جائے، جن کو دو پارے حفظ ہیں یا وزارتِ تعلیم وتربیت کے خاص خاص شعبوں میں جامعہ ازہر اور اسلامی اعلیٰ جامعات کے فارغ التحصیل کے لیے ملازمتوں کا کچھ کوٹا مقرر کر دیا جائے۔ وزیر انصاف کی اِس بے ضرر سی تجویز کے علاوہ رفاہ پارٹی کے بعض دوسرے اقدامات کو بھی تنقید کا ہدف بنایا گیا، مثلاً:

1۔ ملازمت پیشہ خواتین اور زیرِ تعلیم طالبات کو یہ اجازت دی گئی کہ وہ چاہیں تو سروں کو ڈھانپنے کے لیے سکارف استعمال کر سکتی ہیں۔

2۔ عیدالاضحیٰ کے موقع پر قربانی کی کھالیں دینی مدارس کو دی گئیں۔

3۔ استنبول اور انقرہ کے بعض علاقوں میں نئی مساجد تعمیر کرنے کی اجازت دی گئی۔

4۔ دفتری اوقات میں تبدیلی کی گئی تاکہ لوگ جمعہ کی نماز ادا کر سکیں۔ رمضان میں اوقات کار میں لمبا وقفہ دیا گیا تاکہ روزہ دار افطار کر سکیں۔

5۔ مکہ معظمہ تک ایک سُپر ہائی وے کی تجویز، تاکہ ترک مسلمان کم خرچ پر بہولت سے فریضۂ حج ادا کر سکیں اور راستے کے علاقوں سے منافع بخش تجارت میں اضافہ ہو۔

6۔ وزیراعظم کا مذہبی رہنماؤں کو افطار پر بلانا۔ مہمانوں کا اپنے روایتی اسلامی لباس میں آنا اور سرکاری لباس کی پابندی کی خلاف ورزی

اسکارف کا مسئلہ

اسکارف کے مسئلے پر سیکولر خواتین نے ایک احتجاجی مظاہرہ کیا جس کی تصاویر عالمی پریس میں شائع ہوئیں۔ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے وزیراعظم اربکان نے کہا:

"یہ لوگ اپنے آپ کو نام نہاد سیکولرازم کا علم بردار کہتے ہیں، مظاہرہ کرتے ہیں، اسکارف کو خطرے کا نشان بتاتے ہیں اور اسے سیکولرازم کے حق میں مظاہرہ قرار دیتے ہیں، لیکن حقیقت اِس کے برعکس ہے، کیونکہ اس طرح اسکارف باندھنے والی خواتین اور طالبات کو مسترد کیا جاتا ہے اور انہیں خارج کر دیا جاتا ہے۔ اسی طرح اسکارف باندھنے والی خواتین جمع ہوں، وہ بے حجاب خواتین کو دھمکیاں دیں، اُن کی مذمت کریں، اُن پر لعنت بھیجیں تو یہ بھی سیکولرازم کے خلاف ہوگا۔ سیکولرازم اِس تصادم کی اجازت نہیں دیتا۔ اگر کچھ لوگ اب بھی سابق ری پبلکن پارٹی کے نظریات رکھتے ہیں تو اُن کو اپنے اندر تبدیلی لانی چاہیے نہ کہ ترکی کو۔ اُن کا دور ختم ہو چکا ہے۔ نیا ترکی بیدار ہے۔ آپ جائیں اور شمار کریں۔ ہماری 90 فیصد خواتین سرڈھانپتی ہیں۔ آپ کسی گاؤں یا ضلع میں پانچ ایسی خواتین نہیں پائیں گے جو اپنے سر ننگا رکھتی ہوں۔ یہ ایک قوم کی تہذیبی روایت ہے، قومی لباس ہے۔ اس کا ایک عقیدہ ہے۔ کیا آپ کے پاس کرنے کا کوئی اور کام نہیں رہ گیا ہے؟ آخر آپ خواتین کے سرڈھانپنے کے معاملے میں مداخلت کیوں کرتے ہیں؟ یہ سراسر غلط ہے، قدامت پسندی ہے، تاریکی اور ظلمت کی پیروی ہے۔ آپ اِس ذہنیت کو عام نہیں کر سکتے، اس لیے اس میں خواہ مخواہ اپنے ذہن کو نہ تھکائیں۔ آپ عوام سے نہیں لڑ سکتے۔ آپ عوام کے عقیدے اور تاریخ کی راہ میں مزاحم نہیں ہو سکتے۔"

فروری 1997ء میں ایک اور واقعہ رونما ہوا۔ انقرہ کے قریب ایک قصبے سنکان میں رفاہ پارٹی کی بلدیہ کے زیر اہتمام "یوم القدس" منایا گیا۔ شب کو ایک ڈرامے میں القدس کی آزادی کے لیے جہاد کرنے والوں کو خراج تحسین پیش کیا گیا۔ ایرانی سفیر نے صیہونیت کے خلاف تقریر کی۔ فوجی حلقوں میں اس سے بھی زلزلہ آ گیا۔ قصبے کی سڑکوں پر تیس ٹینکوں اور فوجی گاڑیوں نے لوگوں کو ہراساں کرنے کے لیے گشت کیا۔ بلدیہ کے میئر پر فردِ جرم عائد کی گئی۔ ایرانی سفیر از خود واپس چلے گئے۔

ایسی مثالوں کو سامنے رکھتے ہوئے، اعلیٰ فوجی کمانڈر گھات لگائے بیٹھے رہے کہ کب موقع ملے اور وہ اسلام پسند حکومت کا تختہ پلٹ دیں۔ فوج کے ایک سربراہ جنرل کنعان نے وارننگ دی کہ اسلامی بنیاد پرستوں کا صفایا ضروری ہے۔ ان سے کوئی سمجھوتہ نہیں ہو سکتا۔

بہرحال اندرونی سطح پر بھی اور خارجی تناظر میں بھی رفاہ پارٹی اور اسلام پسندوں کو مختلف مسائل، خطرات، اندیشوں اور چیلنجوں کا سامنا کرنا پڑا۔ ترکی میں سیکولرازم کا بہت پروپیگنڈا کیا جاتا ہے، لیکن سچی بات یہ ہے کہ وہاں سیکولرازم، تنگ نظری، تشدد، عدم رواداری اور آزادی و خودمختاری کو کچلنے کے سوا کچھ نہیں ہے۔ ترکی ایشیا اور یورپ کی سرحد پر ایک نہایت اہم مسلم ملک ہے اور وہاں احیائے اسلام کی کسی تحریک کو اسلام دشمن طاقتیں کسی طرح برداشت نہیں کر سکتیں۔

رفاہ پارٹی کی گیارہ ماہ کی حکومت کو پارلیمنٹ میں بارہ مرتبہ عدم اعتماد کی تحریکوں کا سامنا کرنا پڑا۔ فوج نے مخلوط حکومت میں شریک "ٹروتھ پارٹی" کی رہنما تانسو چیلر کو حکومت سے باہر نکل آنے پر آمادہ کرنا چاہا۔ اس میں ناکامی ہوئی تو ڈپٹی لیڈر کے سامنے دانہ و دام پھینکا۔ اس طرح پارلیمنٹ میں حکومت اکثریت سے ہاتھ دھو بیٹھی اور مجبور ہو کر 18 جون 1997ء کو وزیراعظم، پروفیسر نجم الدین اربکان نے استعفاء دے دیا اور رفاہ پارٹی اقتدار سے محروم ہوگئی۔ پھر 12 جولائی 1997ء کو "مدر لینڈ پارٹی" کے رہنما مسعود ایلماز نے حکومت تشکیل دی اور اس طرح مسلم ترکی ایک بار رجعتِ قہقری کا شکار ہو کر الحاد کی ظلمتوں میں بھٹکنے لگا۔

بقیہ اداریہ

سیاسی نظام میں یہ امر طے شدہ ہوگا کہ عدلیہ ہر قسم کے دباؤ سے آزاد ہوگی اور وہ خلیفۂ وقت کو بھی ناانصافی یا زیادتی کرنے پر کٹہرے میں کھڑا کر سکے گی۔ پاکستان جو اس وقت شدید خطرات میں گھرا ہوا ہے تو اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ یہاں آزاد عدالتی نظام قائم ہی نہ ہو سکا۔ ایک نظریاتی ملک ہونے کے حوالہ سے ہمارے لیے ممکن نہیں کہ ہم مغربی جمہوری نظام کو جوں کا توں یعنی (As it is) رائج کر سکیں۔ یہی وہ دوعملی ہے جو ماضی میں ہمارے لیے خسارے کا سبب بنی اور یہی طرزِ عمل اگر جاری رہا تو ہم دنیا میں ذلیل و خوار ہوں گے اور آخرت میں ہمارا ٹھکانہ منافقین کے ساتھ ہوگا اور ہم پر یہ ضرب المثل صد فی صد منطبق ہوگی: دھوبی کا کتا گھر کا نہ گھاٹ کا۔ لہٰذا اسلامی نظام کا نفاذ ہمارا فرض ہی نہیں ہماری مجبوری اور ضرورت بھی ہے۔

دعائے مغفرت کی اپیل

☆ امیر حلقہ وسطی پنجاب انجینئر مختار حسین فاروقی کے بڑے بھائی قضائے الٰہی سے انتقال کر گئے

☆ تنظیم اسلامی ٹوبہ ٹیک سنگھ کے رفیق حافظ احقر علی کی والدہ صاحبہ وفات پا گئیں۔

تمام رفقاء و احباب سے مرحومین کے لئے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

✿✿ضرورت رشتہ ✿✿

☆ لاہور کی رہائشی، ارائیں فیملی کی بیٹی، عمر 20 سال، تعلیم چار سالہ عالمہ کورس، صوم وصلوٰۃ کی پابند کے لئے دیندار، برسر روزگار لڑکے کا رشتہ درکار ہے۔

برائے رابطہ: 0334-9745093

☆ لاہور میں مقیم لڑکی، عمر 24 سال، طالبہ بی اے، شرعی پردے کی پابند کے لئے اہل سنت، اردو سپیکنگ فیملی سے لڑکے کا رشتہ مطلوب ہے۔ والدین رابطہ کریں۔

برائے رابطہ: 042-5411409/5056654

☆ اسلام آباد کی رہائشی فیملی کو اپنے بیٹے، عمر 26 سال، قد 6 فٹ سے زائد، تعلیم ایم ایس سی انجینئرنگ، پی ٹی اے میں اسسٹنٹ ڈائریکٹر، کے لئے دینی مزاج کی حامل لڑکی کا...... اور بیٹی عمر 23 سال، قد 5 فٹ سے زائد، تعلیم بی ایس سی انجینئرنگ، پی ٹی سی ایل میں ملازمت کے لئے دینی مزاج کے حامل لڑکے کا رشتہ درکار ہے۔ تنظیم اسلامی کی رفیقات اور رفقاء کو ترجیح دی جائے گی۔ لاہور، اسلام آباد اور اسلام آباد سے ملحقہ علاقوں کے احباب رابطہ کریں۔

برائے رابطہ: 0300-9501773

کریڈٹ کارڈ: ایک معصوم دشمن

عبدالغفور

یہودیوں نے دنیا میں اپنا اثر رسوخ قائم رکھنے کے لیے بینکوں کو اپنا آلہ کار بنا رکھا ہے۔ ان کے ذریعے سے لوگوں کو لوٹنے اور اپنا غلام بنانے کے نت نئے طریقے ایجاد کرتے رہتے ہیں۔

کریڈٹ کارڈ جو بظاہر ایک معمولی سا پلاسٹک کا ٹکڑا ہے اور اپنی افادیت کے اعتبار سے انتہائی مفید ہے مگر حقیقت میں بہت بڑا دشمن ہے۔ آیئے کریڈٹ کارڈ کا مختلف پہلوؤں سے جائزہ لیتے ہیں۔

کریڈٹ کارڈ کیا ہے؟

کریڈٹ کارڈ ادائیگی کا ایک آسان اور محفوظ طریقہ ہے۔ بینک اپنی مطلوبہ معلومات اور دستاویزات حاصل کرنے کے بعد آپ کو کریڈٹ کارڈ مہیا کرتا ہے جس کے ذریعے آپ خریداری کے بعد ادائیگی کے لیے کارڈ دکان دار کے حوالے کرتے ہیں۔ وہ اس کو ایک مشین میں سے گزارتا ہے۔ مطلوبہ رقم بینک میں آپ کے اکاونٹ میں بطور قرضے کے ریکارڈ کر لی جاتی ہے اور بعد میں بینک کی طرف سے بل آجاتا ہے۔ اس بل کی ادائیگی چیک کے ذریعے کر دی جاتی ہے۔ یہ ادائیگی چالیس/ پینتالیس دنوں کے اندر کرنی ہوتی ہے ورنہ پھر سود بھی ادا کرنا پڑتا ہے۔

کریڈٹ کارڈ کے فوائد

1۔ ادائیگی کا سب سے آسان اور محفوظ طریقہ ہے۔

2۔ ہر وقت جیب میں پیسے لے کر پھرنے سے نجات مل جاتی ہے۔

3۔ ایمرجنسی میں پیسے نہ ہونے کی صورت میں بہت کام آتا ہے۔

4۔ تھوڑے وقت میں قرضہ حاصل کرنے کا سب سے آسان طریقہ ہے۔ یہاں تک کہ اگر ادائیگی پیسوں کی شکل میں کرنی ہو تو کسی بھی نزدیکی اے۔ ٹی۔ ایم مشین میں کارڈ ڈالیں اور مطلوبہ رقم نکال لیں۔

5۔ کریڈٹ کارڈ سے ادائیگی کے بعد چالیس/ پینتالیس دن کے اندر اندر بینک کو ادائیگی کرنی ہوتی ہے۔ اس طرح بغیر سود کے چالیس/ پینتالیس دن کا قرضہ مل جاتا ہے۔

کریڈٹ کارڈ کے نقصانات

آیئے، اب کریڈٹ کارڈ سے ہونے والے نقصانات کا جائزہ لیتے ہیں۔

1۔ صارف (کریڈٹ کارڈ استعمال کرنے والا) اپنی آمدنی سے زیادہ خرچ کر دیتا ہے۔ مثال کے طور پر اگر میری جیب میں پانچ سے روپے ہیں تو میں جو مرضی کو لوں پانچ سو سے ایک روپیہ بھی زیادہ خرچ نہیں کر سکتا۔ لیکن اگر میرے پاس کریڈٹ کارڈ ہے تو چاہے میری جیب میں ایک پیسہ بھی نہ ہو تو ہزاروں روپے خرچ کیے جاسکتے ہیں۔

2۔ اس کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ اگر اپنے ہاتھ سے پیسے دیئے جائیں تو خرچے کا احساس ہوتا ہے لیکن یہ احساس کریڈٹ کارڈ سے ادائیگی کی صورت میں نہیں ہوتا، چاہے لاکھوں روپے کی ادائیگی کیوں نہ ہو۔

3۔ ایک طرف قرضہ بڑھتا جاتا ہے اور دوسری طرف رقم کسی اور کام میں خرچ ہو جاتی ہے، مثال کے طور پر اگر میں گاڑی میں پانچ سو روپے کا پیٹرول ڈلواتا ہوں اور ادائیگی کارڈ کے ذریعے کرتا ہوں تو ایک طرف تو میرے اکاؤنٹ میں پانچ سو روپے بطور قرض کے جمع ہو جائیں گے، دوسری طرف پانچ سو روپے کسی اور کام میں لگ جائیں گے اور جب ادائیگی کا وقت آئے گا تو میرے پاس ادا کرنے کے لئے رقم نہیں ہوگی۔

4۔ لوگوں کو مختلف حیلے بہانوں سے مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ ادائیگی کارڈ کے ذریعے کریں تاکہ قرض میں جکڑے جانے کے امکانات زیادہ سے زیادہ ہوں۔ ایک مرتبہ ایک کریڈٹ کارڈ کمپنی کا نمائندہ میرے بار بار انکار کے باوجود میرے پاس آ گیا اور مجھے کارڈ کے فوائد گنوانے لگا۔ کافی دیر بحث کے بعد اس نے مجھے بتایا کہ ہم تو چاہتے ہیں کہ لوگ زیادہ سے زیادہ کارڈ ز سے ادائیگی کریں اور پھر بینک کا بل ادا نہ کر سکیں اور سود کے جال میں پھنس کر ہمیشہ بینک کی آمدنی کا سبب بنتے رہیں۔

5۔ ہمیں اپنی چادر دیکھ کر ہی پاؤں پھیلانا چاہئیں۔ ہم جتنے پیسے تھوڑے تھوڑے کر کے خرچ کرتے ہیں وہ اگر ہمیں یکمشت ادا کرنے پڑ جائیں تو یہ ہمارے لیے مشکل ہو جاتا ہے۔ اس کی مثال اس طرح ہے کہ فرض کریں کہ میری کار کے پیٹرول کا ایک مہینے کا خرچ تین ہزار روپے ہے لیکن چونکہ ادائیگی سو دو سو روپے کر کے ہوتی ہے یعنی اپنی چادر دیکھ کر تو معاملہ آسان ہوتا ہے لیکن اگر کارڈ سے ادائیگی ہوگی تو خرچے کا احساس نہیں ہوگا۔ ہوسکتا ہے کہ میں اپنی گنجائش سے زیادہ پیسے گاڑی پر خرچ کر دوں اور جب بینک سے ادائیگی کے لیے بل آئے گا تو اکٹھے پیسے ادا کرنے مشکل ہو جائیں گے۔

6۔ دفتر میں ایک ساتھی سے اکثر کریڈٹ کارڈ کے حوالے سے میری بحث ہوتی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ میں خواہ مخواہ نئی ایجادات کے خلاف رہتا ہوں۔ اتفاق سے اسے بینک میں ملازمت مل گئی۔ کچھ عرصے کے بعد میری اس سے ملاقات ہوئی تو اس نے بتایا کہ واقعی بینک لوگوں کو قرضے میں جکڑنے کے نت نئے طریقے ایجاد کرتے رہتے ہیں اور کریڈٹ کارڈ کے ذریعے سے بینک امیر ہو یا غریب ہر شخص کو باآسانی قرضے میں پھنسا دیتے ہیں۔

کریڈٹ کارڈ لینے پر مجبور کرنے کے طریقے

بینکوں کے نمائندے کریڈٹ کارڈ بیچنے کے لیے مختلف ہتھکنڈے استعمال کرتے ہیں۔ جوان لڑکے اور لڑکیاں بہت ہی منظم انداز میں مختلف ذرائع سے لوگوں کے بارے میں معلومات جمع کر کے ان کو فون کرتے ہیں اور اپنی چکنی چپڑی باتوں کے ذریعے کارڈ لینے پر مجبور کرتے ہیں۔ اگر کوئی شخص ان کی باتوں میں نہ آئے تو پھر جذباتی طور پر قائل کرنے کی کوشش کرتے ہے۔ مثال کے طور پر آپ کے سامنے اپنے گھر کے حالات بتائیں گے پھر آپ سے ہمدردی کی درخواست کریں گے اور کہیں گے کہ اگر آپ کریڈٹ کارڈ لے لیں گے تو میری تنخواہ کا چیک بن جائے گا۔ بعض تو جھوٹ موٹ کے آنسو بہا کے دکھا دیتے ہیں۔

اعداد و شمار (امریکہ)

آیئے اب ایک نظر امریکہ میں کریڈٹ کارڈ کے استعمال سے متعلق اعداد و شمار پر ڈالتے ہیں۔

1۔ کریڈٹ کارڈ پر سود کی شرح اوسط 19 فیصد ہے۔

2۔ تقریباً 20 فیصد سے 25 فیصد لوگ وقت پر ادائیگی کرتے ہیں۔

3۔ 48 فیصد لوگ صرف کم از کم رقم کی ادائیگی کرتے ہیں۔

4۔ اگر نقد ادائیگی کی جائے تو 34 فیصد کم ادائیگی ہوتی ہے۔ یعنی 34 فیصد خرچہ کم ہوتا ہے۔

کریڈٹ کارڈ کے بارے میں علماء کی رائے

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ وہ ہمیشہ کریڈٹ کارڈ سے ادا کی جانے والی رقم کا بل وقت پر ادا کر دیتے ہیں اور سود کی ادائیگی نہیں کرتے اس لیے ہم پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ جبکہ علماء

کی رائے یہ ہے کہ چاہے ساری زندگی ادائیگی وقت پر کی جائے اور سود بھی نہ دیا جائے پھر بھی وہ شخص سود کے گناہ میں ملوث ہے کیوں کہ جس وقت وہ شخص کریڈٹ کارڈ لینے کے لیے فارم بھرے گا اس وقت وہ وعدہ کرے گا کہ ادائیگی میں دیر ہونے کی صورت میں سود ادا کرے گا۔ اس وعدہ کی بنیاد پر وہ بھی اس سودی نظام کا حصہ بن جائے گا۔

لوگوں کی رائے

اب ایک نظر مغرب کے لوگ کی کریڈٹ کارڈ کے بارے میں رائے پر ڈالتے ہیں۔ یہ آراء سٹیٹیکل (Statical) سروے سے حاصل کی گئی ہیں۔

1۔ خودکشی کا ایک طریقہ ہے۔
2۔ شریفانہ طریقہ لوٹ مار ہے۔
3۔ بینک اس دنیا میں سب سے بڑا بدمعاش ہے جو ہر وقت لوگوں کو قرض میں پھنسانے کے طریقے ایجاد کرتا رہتا ہے۔
4۔ کریڈٹ کارڈ شیطان کی ایجاد ہے۔
5۔ اس کی مثال ایسے ہے جیسے کسی بچے کو گن پکڑا کر اس سے کہا جائے کہ اس کو احتیاط سے استعمال کرنا ورنہ ہم تمہیں ہسپتال نہیں لے کر جائیں گے۔

کریڈٹ کارڈ کا متبادل

ہمیں اپنی چادر دیکھ کر ہی پاؤں پھیلانا چاہئیں اور اپنے اخراجات کو آمدنی کے حساب سے ہی توازن میں رکھنا چاہیے، فضول خرچی سے بچنا چاہیے۔ اگر کہیں بڑی رقم ادا کرنی ہو تو ڈیبیٹ کارڈ استعمال کرنا چاہیے۔ ڈیبیٹ کارڈ اصل میں آپ کا اپنا بینک اکاونٹ ہے یعنی اگر آپ کے بینک میں پیسے نہیں ہیں تو ادائیگی نہیں ہوگی۔ اس طرح قرض سے بچ جائیں گے۔

عبرت آگیں

سقوطِ مشرقی پاکستان کے اسباب

مرتضیٰ احمد اعوان

1971ء میں جب پاکستان دولخت ہوا تھا تو اس وقت پورا عالم اسلام ہل کر رہ گیا تھا۔ مسلمانوں کے لیے یہ اتنا بڑا سانحہ تھا کہ دنیا کے لاکھوں مسلمان دھاڑیں مار مار کر روئے تھے، کیونکہ پاکستان جب قائم ہوا تھا تو وہ واحد اسلامی ملک تھا جو اسلام کے نام پر وجود میں آیا تھا اور اس کی آبادی بھی تمام اسلامی ملکوں میں سب سے زیادہ تھی۔ ظاہر ہے مسلمانوں نے قیام پاکستان کو اپنے لیے ایک سایہ سمجھا تھا۔ اس کی سب سے بڑی مثال ہندوستان کے مسلمان تھے، جو پاکستان کو اپنا بہت بڑا مددگار سمجھتے تھے۔ لیکن جب پاکستان کے دوٹکڑے ہوئے تو وہاں کے لوگوں نے بھی کہہ دیا کہ اگر پاکستان صرف اپنے وجود کو ہی برقرار رکھ سکے تو یہ اس کی بہت بڑی کامیابی ہوگی، کیونکہ وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ ایک ایسا ملک جو اتنے جوش وخروش اور ایسی تحریک سے وجود میں آیا تھا کہ جس سے اندازہ ہو رہا تھا کہ پاکستان ہمیشہ قائم رہنے کے لیے وجود میں آیا ہے، وہ ایک مختصر سی جنگ کے نتیجے میں اتنی بڑی شکست کھا جائے گا۔

سقوط ڈھاکہ کے عبرت ناک سانحے کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ ہم اپنے اور مشرقی پاکستان کے عوام کے مابین جو سب سے مضبوط رشتہ تھا اس کو قائم نہیں رکھ سکے، اور وہ اسلامی اخوت کا رشتہ تھا۔ اس سلسلے میں قیام پاکستان کی مثال لے لیجئے۔ پاکستان بنانے والی جماعت مسلم لیگ تھی۔ تحریک پاکستان کے زمانے میں وہ کون سا جذبہ تھا جس نے ہندوستان کے مسلمانوں کو مسلم لیگ کے جھنڈے تلے جمع کیا؟ ظاہر ہے کہ یہ دینی اخوت کا جذبہ تھا۔ یہ اسلام کا رشتہ تھا۔ جس کی وجہ سے مسلم لیگ جماعت سے تحریک کی شکل میں بدل گئی، اور اس کے بعد جس زور وشور سے مسلم لیگ نے اسلام کا نام لینا شروع کیا، اسی زور وشور سے اس کے گرد عوام جمع ہوتے گئے، اور اس کے نتیجے میں پاکستان کا قیام عمل میں آیا۔ اس وقت مشرقی اور مغربی پاکستان کے عوام کے درمیان اسلامی اخوت کا جذبہ پروان چڑھ رہا تھا۔ قیام پاکستان کے بعد اگر ہم اس رشتے کو مضبوط کرنے کی کوشش کرتے اور پاکستان کو حقیقی اسلامی ریاست بناتے تو یہ حادثہ پیش نہ آتا۔ بلکہ اسلامی نظریہ کی بدولت مشرقی اور مغربی پاکستان کے عوام کو یکجہتی اور اتحاد کو فروغ حاصل ہوتا۔ یہ بات پیش نظر رہے کہ مشرقی پاکستان کے مسلمان ہم سے زیادہ مذہبی تھے اور ہیں۔ انہوں نے خالص اسلامی جذبے کے تحت مسلم لیگ کو ووٹ دیا تھا۔ اس وقت بھی صورتحال یہ ہے کہ پاکستان میں تبلیغی جماعت کے اجتماع میں جتنے لوگ ہوتے ہیں، اس سے دوگنے لوگ بنگلہ دیش میں تبلیغی جماعت کے اجتماع میں شریک ہوتے ہیں۔ پاکستان میں جتنی سیٹیں جماعت اسلامی لیتی ہے اتنی ہی سیٹیں بنگلہ دیش میں جماعت اسلامی لے لیتی ہے۔ یہ مثالیں ہمیں بتاتی ہیں کہ اگر یہاں اپنی روح کے مطابق اسلام نافذ ہوتا تو اس ملک کے دوٹکڑے نہ ہوتے۔ یہ اسلام کے قائم نہ کرنے کا نتیجہ تھا کہ بنگلہ دیش کے ایک وزیر نے یہاں تک کہہ دیا تھا کہ ہم اپنے آپ کو ایک اسلامی ملک کہلوانا بھی پسند نہیں کرتے۔

اس حادثے کا دوسرا سبب یہ تھا کہ ہمارے ایوان اقتدار میں فوج داخل ہوگئی، جس نے آ کر ہماری دستور سازی میں رکاوٹ ڈال دی۔ 1956ء میں خدا خدا کر کے پاکستان میں پہلا دستور بنا تھا۔ لیکن اس دستور کو بھی فوج نے اپنی طاقت کے بل بوتے پر ختم کر دیا، اور ایوب خان 1962ء میں اپنا من پسند دستور لے آئے۔ اور بدقسمتی سے یہ دستور بھی صرف چند سال ہی رہ سکا۔ کسی بھی ریاست کے استحکام کے لئے آئین کا وجود خاص اہمیت رکھتا ہے۔ بھارت ہم سے کتنا بڑا ملک ہے لیکن وہ اپنی جگہ ہم سے زیادہ مستحکم ہے، اس لئے کہ اس کا آئین کبھی نہیں ٹوٹا اور نہ ہی فوج نے بھارت میں حکومت پر قبضہ کیا۔ علاوہ ازیں سویلین کی بجائے فوجی اقتدار سے دوسرے صوبوں بالخصوص بنگالی عوام میں احساس محرومی پیدا ہوا۔

اس سانحے کے ضمن میں ہمارے حکمرانوں نے جو گھناؤنا کردار ادا کیا وہ تاریخ کے صفحات میں سیاہ حروف میں لکھے جانے کے قابل ہے۔ اُن کی مطلب براری اور ہوسِ اقتدار نے ملک توڑ دیا۔ یہاں مغربی بنگال کے مسلم لیڈروں کو کرش کرنے کے لیے اقدامات کیے گئے۔ مثال کے طور پر بنگالی رہنما خواجہ ناظم الدین لیاقت علی خان کی شہادت کے بعد وزیراعظم بنے، لیکن انہیں دوسال کے بعد گورنر جنرل نے غیرآئینی طریقے سے برطرف کر دیا۔ ان کی برطرفی نے مشرقی پاکستان کے عوام پر بہت گہرا اثر ڈالا۔ وہ یہ سمجھنے لگے کہ مغربی پاکستان کے رہنما فوج کی مدد سے مشرقی پاکستان کو دبا کر رکھنا چاہتے ہیں۔ الغرض ہمارے رہنماؤں کی ہوس اقتدار، عیش پرستی، غیراخلاقی رویہ یہ سقوط ڈھاکہ میں آخری کیل ثابت ہوا۔ عیش پرستی کی اس سے بڑی مثال اور کیا ہوسکتی ہے کہ مشرقی پاکستان میں قتل وغارت ہو رہی تھی، مسلمانوں کا خون بہایا جا رہا تھا اور اسلام آباد میں شراب کے دور چل رہے تھے۔ تاریخ اُٹھا کر دیکھئے، یہی حال سقوط بغداد کے وقت خلافت بنوعباسیہ کا تھا۔ ہلاکو خان اپنی فوجیں لے کر بغداد کے دروازے پر تھا اور خلیفہ اپنی لونڈیوں کے ساتھ شراب خانے میں موج مستیاں کر رہے تھے، جس کے نتیجے میں ہلاکو خان نے بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجادی تھی اور لاکھوں مسلمانوں کو قتل کیا تھا۔

یہ تو تھیں ہماری اندرونی بداعمالیاں، لیکن اس حادثے کے پیچھے بیرونی طاقتوں کی سازشیں بھی کارفرما تھیں، بیرونی طاقتیں پاکستان کو مستحکم ہوتا دیکھنا ہی نہیں چاہتی تھیں۔

انسانی حقوق کا چارٹر

مغرب نے نہیں، اسلام نے نافذ کیا

ابوعمار زاہد الراشدی

امریکہ میں انسانی حقوق کی بحالی اور فراہمی کی جدوجہد کا ایک طویل دورانیہ ہے، جس کے مختلف مراحل کا تذکرہ مستقل گفتگو کا متقاضی ہے، مگر اس موقع پر صرف اتنا عرض کر دینا ضروری ہے کہ امریکہ میں شہری آزادیوں اور انسانی حقوق کی بحالی کی یہ جدوجہد بیسویں صدی عیسوی کے ساتویں عشرے تک مسلسل جاری رہی۔ جب سیاہ فام آبادی کو ووٹ اور برابری کا حق دلوانے کے لئے مارٹن لوتھر کنگ کی قیادت میں سیاہ فاموں نے ایک مشہور زمانہ جدوجہد کی اور اس کے نتیجے میں جان ایف کینیڈی کے دور حکومت میں سیاہ فاموں کے لئے سفید فاموں کے برابر حقوق تسلیم کیے گئے اور گوروں کی طرح کالوں کے لیے بھی ووٹ کا حق اور قانونی تحفظ میں برابری کا حق دستور کا حصہ قرار پایا۔ بتایا جاتا ہے کہ موجودہ امریکی وزیر خارجہ کونڈولیزا رائس کے والد محترم بھی ان لوگوں میں شامل تھے، جنہیں سیاہ فام ہونے کی وجہ سے 1964ء تک ووٹ کا حق حاصل نہیں تھا اور ایک مسلسل سیاسی اور عدالتی جنگ کے ذریعے وہ ووٹ کا حق حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے تھے۔

اس پس نظر میں 10 دسمبر 1948ء کو اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کی طرف سے منظور کیا جانے والا انسانی حقوق کا یہ عالمگیر اعلامیہ تاریخی اہمیت کا حامل ہے اور مغرب کو اس پر بجا طور پر فخر کا حق حاصل ہے کہ اس نے صدیوں کی طویل، صبر آزما اور جانگسل جدوجہد کے بعد انسانی حقوق کے تحفظ اور بحالی کا یہ مقام حاصل کیا، لیکن کیا یہ نسل انسانی کی تاریخ میں انسانی حقوق اور شہری آزادیوں کے تسلیم کیے جانے کا پہلا موقع ہے، اس سے ہمیں اختلاف ہے اور ہم تاریخی حقائق کی بنیاد پر یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ مغرب کی حد تک اہل مغرب کا یہ دعویٰ درست ہے کہ میگنا کارٹا سے شروع ہو کر اقوام متحدہ کے عالمی منشور تک پہنچنے والی یہ جدوجہد انسانی حقوق کی ایک کامیاب جدوجہد ہے اور مغرب کے قرون مظلمہ کے پس منظر میں یہ بہت بڑا تاریخی کارنامہ ہے، لیکن نسل انسانی اس سے صدیوں قبل انسانی حقوق اور شہری آزادیوں سے نہ صرف متعارف تھی، بلکہ انہیں عملاً یہ حقوق حاصل بھی تھے اور ہم اس کی کچھ جھلکیاں قارئین کی خدمت میں پیش کرنا چاہتے ہیں۔

مغرب میں عوام کے حقوق کی بحالی کی تاریخ کو جتنا بھی پیچھے کھینچ کر لے جائیں، زیادہ سے زیادہ گیارھویں صدی عیسوی تک اسے لے جایا جا سکتا ہے، جب 1037ء میں برطانیہ کے بادشاہ کا فریڈ ثانی نے ایک قانون کے ذریعے پارلیمنٹ کے اختیارات کا تعین کیا تھا، لیکن اس سے ٹھیک چار سو سال قبل اسلام کا نظام خلافت وجود میں آیا تھا جس کی ایک جھلک یہ دکھائی دیتی ہے کہ خلیفہ کا انتخاب لوگوں کی رائے سے ہوا تھا اور اس طرح عوام کا یہ حق باقاعدہ طور پر تسلیم کیا گیا تھا کہ وہ اپنے حکمران کا چناؤ کریں۔

> مغربی دنیا کی حد تک کوئی یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ اُس نے انسانوں کو حقوق کا شعور بخشا، لیکن انسانی معاشرے میں آزادیٔ رائے، حکومت کی تشکیل، حکومت کے احتساب اور معاشی کفالت کے حقوق مغرب کی جدوجہد سے صدیوں پہلے اسلام نے دنیا کو عطا کئے

خلیفہ اوّل حضرت صدیق اکبرؓ نے اپنے پہلے خطبے میں اعلان کیا تھا کہ اگر میں قرآن وسنت کی اطاعت کروں تو میری اطاعت تم پر واجب ہے اور اگر قرآن وسنت کے خلاف چلوں تو میری اتباع تم پر ضروری نہیں ہے، سیاسی طور پر اسے شخصیت کی بجائے قانون کی حکمرانی کہا جاتا ہے۔

حضرت صدیق اکبرؓ نے اسی خطبے میں یہ اعلان بھی کیا تھا کہ لوگو! تمہیں یہ حق حاصل ہے کہ اگر میں سیدھا چلوں تو میرا ساتھ دو اور اگر ٹیڑھا چلنے لگوں تو مجھے سیدھا کر دو۔ اسے اگر عام سیاسی مفہوم میں بیان کیا جائے تو یہ عوام کے حق احتساب کا اعلان تھا کہ اگر وہ حکمران کو اصول وقانون کے خلاف دیکھیں تو اسے سیدھا کرنے کی کوئی عملی صورت اختیار کر سکتے ہیں۔ حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں بہت سے واقعات تاریخ کے ریکارڈ میں ہیں، جن میں عین خطبے کے دوران ایک شخص کا مجمع کے درمیان کھڑا ہو کر لمبا کرتہ پہننے پر ان سے باز پُرس کا واقعہ زبان زد عام ہے اور یہ واقعہ بھی مستند کتابوں میں موجود ہے کہ ایک بار مہر کی رقم پر پابندی لگانے پر ایک خاتون نے سرراہ روک کر ان سے کہا کہ ''ان کا یہ حکم قرآن کریم کی منشاء کے خلاف ہے'' تو انہوں نے اسے تسلیم کر کے اپنا حکم فوری طور پر واپس لینے کا اعلان کر دیا۔ یہ قانون کی بالادستی کے ساتھ ساتھ عوام کے حق احتساب اور آزادیٔ رائے کا عملی اظہار تھا۔

حضرت عثمان غنیؓ کے دور خلافت میں جب ان کے عمال اور افسران کے خلاف شکایات عام ہونے لگیں اور مختلف اطراف سے ان کے گورنروں کے خلاف اعتراضات سامنے آنے لگے تو انہوں نے باقاعدہ اعلان کر کے اپنے گورنروں کو حج بیت اللہ کے موقع پر منیٰ کے میدان میں جمع کیا اور ان کی موجودگی میں عام لوگوں کو موقع دیا کہ وہ ان کے خلاف اپنی شکایات پیش کریں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا زرہ کا مقدمہ بھی تاریخ کا مشہور واقعہ ہے، جس میں وہ مقدمہ میں ایک فریق کے طور پر قاضی شریح کی عدالت میں خود پیش ہوئے اور مقدمے کا فیصلہ بھی ان کے خلاف ہوا، اسے عدالتی اور قانونی زبان میں قانون کی نظر میں سب کے برابر ہونے سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ جب پہلے خلیفہ کی طرف سے نامزدگی کے باعث خلیفۃ المسلمین بنائے گئے تو انہوں نے جامع مسجد دمشق میں کھلے بندوں خطبہ دیتے ہوئے اعلان کیا کہ وہ اس کے لیے تیار نہیں ہیں اور عوام کو یہ حق دیتے ہیں کہ وہ اپنے حکمران کا خود انتخاب کریں۔ چنانچہ عام اجتماع میں لوگوں کے اصرار پر انہوں نے خلافت قبول کرنے کا فیصلہ کیا۔ خلفائے راشدینؓ بلکہ ملت اسلامیہ کی پوری پہلی صدی اور اس کے بعد کے ادوار میں بھی اس قسم کی بیسیوں مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں، جن سے پتہ چلتا ہے کہ اس دور کی اسلامی ریاست میں عوام کے حقوق اور آزادیوں کی کیا صورت حال تھی۔ ان میں سے بطور نمونہ یہ چند مثالیں پیش کی گئی ہیں، البتہ اس دور کے دو واقعات کا مزید تذکرہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔

''فتوح الشام'' میں یہ واقعہ مذکور ہے کہ خلافت راشدہ کے دور میں روم کے دربار میں حضرت معاذ بن جبلؓ ایک بار سفیر بن کر گئے تو رومی سرداروں نے ان پر اپنے پروٹوکول اور کروفر کا رعب ڈالنا چاہا، اس پر انہوں نے درباریوں سے

مخاطب ہوکر فرمایا:

''ہمارا امیر ہم میں سے ایک شخص ہے۔ اگر ہمارے درمیان قرآن وسنت کے مطابق عمل کرے تو ہم اسے برقرار رکھتے ہیں اور اگر اس کی خلاف ورزی کرے تو ہم اسے معزول کرنے کا حق رکھتے ہیں۔ اگر وہ چوری کرے تو ہم اس کا ہاتھ کاٹ دیتے ہیں، اگر زنا کرے تو اسے سزا دیتے ہیں، اگر کسی کو گالی دے تو جس کو گالی دی ہے، اسے جواب دینے کا حق ہوتا ہے، اگر کسی کو زخمی کرے تو وہ اس سے قصاص لے سکتا ہے۔ وہ ہم سے چھپ کر نہیں بیٹھتا، ہم پر بڑائی کا اظہار نہیں کرتا اور بیت المال کے اموال میں ہم پر کوئی ترجیح نہیں رکھتا، بلکہ وہ ہماری طرح کا ہی شخص ہوتا ہے۔''

''کتاب الاموال'' میں روایت ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے دورِ حکومت میں ان کی طرف سے عراق میں متعین گورنر عبدالحمید نے ان سے دریافت کیا کہ میرے پاس صوبائی بیت المال میں کچھ رقم زائد پڑی ہے، اس کا کیا کروں؟ جواب دیا کہ مستحق لوگوں کو ان کے وظائف ادا کر دو۔ اس نے کہا کہ وہ کر چکا ہوں، فرمایا کہ مقروض لوگوں کو تلاش کر کے ان کے قرضے ادا کرو، گورنر نے جواب دیا کہ وہ بھی کر چکا ہوں۔ امیر المومنین نے فرمایا کہ کنوارے لوگوں کو تلاش کر کے سرکاری خرچے پر ان کی شادیاں کراؤ اور ان کا حق مہر بھی ادا کرو، گورنر نے جواب دیا کہ یہ بھی کر چکا ہوں، جواب ملا کہ جن لوگوں پر جزیہ عائد ہے اور وہ اپنی زمینوں کا صحیح طور پر بندوبست نہیں کر پا رہے، ان لوگوں کو قرضے دو تا کہ وہ اپنی زمینوں کو صحیح طریقے سے آباد کر سکیں۔

یہ عوام کے حقوق، آزادی رائے، شہری حقوق اور بیت المال (سرکاری خزانے) سے متعلقہ حقوق کے حوالے سے مغرب میں عوامی حقوق کی جدوجہد کے نقطۂ آغاز سے چارسو سال پہلے کی باتیں ہیں، جو تاریخ کے ریکارڈ میں محفوظ ہیں، بلکہ انسانی تاریخ کے ماتھے کا جھومر ہیں، اس لیے اگر کوئی مغربی دنیا کی حد تک یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس نے انسانوں کو ان کے حقوق کا شعور بخشا اور حقوق کے حصول کی جدوجہد سے متعارف کرایا تو یہ بات کسی حد تک تسلیم کی جاسکتی ہے، لیکن انسانی معاشرے میں آزادیٔ رائے، حکومت کی تشکیل کا حق، حکومت کے احتساب کا حق اور سرکاری خزانے سے معاشی کفالت کا حق مغرب کی جدوجہد سے صدیوں پہلے موجود تھا۔ عام لوگ اس سے مستفید ہوتے تھے اور ان حقوق سے دنیا کو متعارف کرانے کا کریڈٹ اسلام کو جاتا ہے جو ایک فطری دین ہونے کے باعث ماضی کی طرح مستقبل کا دین بھی ہے۔ (بشکریہ روزنامہ ''پاکستان'')

تنظیم اسلامی کی دعوتی و تربیتی سرگرمیاں

تنظیم اسلامی کراچی شمالی کے زیر اہتمام تربیتی نشست

تنظیم اسلامی نارتھ کراچی کے زیر اہتمام ملتزم رفقاء کے لئے سہ ماہی تربیتی نشست 25 نومبر 2007ء منعقد کی گئی۔ پروگرام کا آغاز صبح سات بجے ہوا۔ سب سے پہلے مقامی امیر تنظیم جناب عبدالعظیم نے اس نشست کی غرض وغایت بیان کی۔ انہوں نے اِس بات پر زور دیا کہ موجودہ دور میں تیزی سے بدلتے ہوئے حالات کا تقاضا ہے کہ تمام مسلمان بالخصوص رفقاء تنظیم اپنی ذمہ داری محسوس کرتے ہوئے اہل وعیال کی طرف توجہ دیں، قرآن ہم سے یہی تقاضا کرتا ہے۔ ہم اپنے لئے، اپنے اہل خانہ اور رفقاء تنظیم کے لئے خصوصی دعاؤں کا اہتمام کریں۔ پھر یہ کہ خود کو ملکی وعالمی حالات کے مطابق تیار کریں اور ذاتی مراقبہ بھی کریں۔ اس کے بعد ناظم دعوت مصطفیٰ عمر جنیدی نے مذاکرہ کنڈکٹ کیا جس کا عنوان تھا: ''مثالی اسرہ اور مثالی نقیب''۔ تمام رفقاء نے اس میں بھرپور شرکت کی۔ محترم انجینئر نوید احمد نے تعلق مع اللہ کے موضوع پر گفتگو کی اور سورہ آل عمران آیت 101 اور سورۃ التغابن کے دوسرے رکوع کی روشنی میں رفقاء تنظیم کو تعلق مع اللہ کا ہمہ وقت جائزہ لینے کی تلقین کی۔ انہوں نے کہا کہ ہم ہر روز سب سے زیادہ یہ دعا مانگتے ہیں کہ اھدنا الصراط المستقیم اور قرآن یہ کہتا ہے کہ جو اللہ کے ساتھ چمٹ گیا، اسے تو ہدایت مل گئی۔ لہٰذا ہمیں اپنا جائزہ لینا چاہئے کہ کیا ہم واقعتاً اللہ کے ساتھ چمٹ گئے ہیں اور اب ہمارا تعلق اللہ کے ساتھ مضبوط ہو چکا ہے۔ ہمیں سورۂ تغابن کے دوسرے رکوع کا بار بار مطالعہ کرنا چاہیے، تا کہ یہ جائزہ لے سکیں کہ ہمارا بھروسہ اسباب پر ہے یا مسبب الاسباب پر اور ہم اپنی اہلیہ اور اولاد کو دین کی طرف لا کر انہیں جہنم کی آگ سے بچانے کی کتنی کوشش کر رہے ہیں۔ اپنی اولاد کو نماز کی طرف لائیں اور دینی محافل میں ساتھ لے کر جائیں۔ اپنے دل سے مال کی محبت کم کرنے کے لئے اللہ کی راہ میں انفاق کریں۔ اسی طرح ہم تعلق مع اللہ مضبوط کر کے اللہ کی رضا حاصل کر سکتے ہیں۔ مسنون دعا پر پروگرام کا اختتام ہوا۔ پروگرام میں 17 رفقاء نے شرکت کی۔

(مرتب: عطاء الرحمٰن عارف)

تنظیم اسلامی لاہور شمالی نمبر 2 کے زیر اہتمام نصف روزہ

تنظیم اسلامی لاہور شمالی نمبر 2 کے زیر اہتمام پانچ اسروں کا نصف روزہ پروگرام امیر تنظیم اسلامی شمالی نمبر 2 کی اجازت سے مرکز تنظیم اسلامی میں 25 نومبر 2007ء کو منعقد کیا گیا۔ اس سے پہلے پروگرام کی تفصیلات بذریعہ نقیب ہر رفیق تک پہنچا دی گئیں۔ پروگرام کا آغاز محترم ڈاکٹر عبدالخالق کے درس قرآن سے ہوا۔ انہوں نے سورۃ الحدید کی آیات 4 تا 6 کے حوالے سے درس قرآن دیا۔ اس کے بعد محترم عدیل آفریدی نے ''غیبت'' کی شناعت پر پُر اثر گفتگو کی۔ ڈاکٹر ابراہیم نے جہاد کی تعریف اور اس کے مراحل بیان کیے۔ اس دوران چائے کا وقفہ ہوا۔ وقفہ کے بعد شکیل احمد نے سیرت النبی ﷺ پر مذاکرہ کرایا۔

اس کے ساتھ ہی نصف روزہ کا اختتام ہوا۔ نماز ظہر باجماعت ادا کرنے کے بعد رفقاء اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہو گئے۔ اس پروگرام میں تیس رفقاء اور پانچ احباب نے شرکت کی۔

(مرتب: خباب عبدالخالق)

اُسرہ نوشہرہ کینٹ کے تحت دعوتی وتربیتی پروگرام کی روداد

ذاتی اصلاح وتربیت اور دعوت الی اللہ کی غرض سے اُسرہ نوشہرہ کینٹ کے رفقاء کا ایک پروگرام 25 نومبر 2007ء کو خویشگی پایاں کی ایک مسجد میں منعقد ہوا۔ یہ پروگرام عصر تا عشاء جاری رہا۔ پروگرام کے مطابق رفقاء مرکز نوشہرہ سے اڑھائی بجے روانہ ہوئے اور راستے میں مبتدی رفیق فضل ربی گلفام کو لیتے ہوئے وقت مقررہ سے آدھا گھنٹہ پہلے مسجد پہنچ گئے۔ دو رکعات تحیۃ المسجد پڑھنے کے بعد ''شمائل رسول ﷺ'' کے حوالے سے گفتگو ہوئی۔ بعد نماز عصر ''عبادت رب'' کے موضوع پر گفتگو ہوئی، اور بعد نماز مغرب ''فرائض دینی کے جامع تصور'' پر بیان ہوا۔ جس کے بعد عشاء تک کچھ وقت باقی تھا جس میں مسنون دُعائیں یاد کرائی گئیں۔ نماز عشاء کی ادائیگی کے بعد ایک رفیق نے ''اجتماعیت کی اہمیت'' کو واضح کیا۔ اِس پروگرام میں تقریباً 15 احباب اور 6 رفقاء نے شرکت کی، جن میں اُسرہ نوشہرہ کے 4 اور اُسرہ خویشگی کے 2 رفقاء شامل تھے۔

(مرتب: جان نثار اختر)

یہ میڈیا کی آزادی؟

مسلمانوں میں فحاشی پھیلانے کو پسند کرتے ہیں ان کے لیے دنیا میں بھی ذلت ورسوائی ہے اور آخرت میں بھی دردناک عذاب ہے۔ کیا آج کا میڈیا دین کی اس تعلیم کی صریح نافرمانی کا مرتکب نہیں ہو رہا ہے؟ قرآن میں تو جابجا یہ فرمایا گیا ہے کہ شیطان تمہیں فحاشی کا حکم دیتا ہے۔ یہ بات قرآن حکیم میں ایک سے زیادہ مقامات پر فرمائی گئی جس سے اس کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔ قرآن تو لوگوں کی ٹوہ میں لگے رہنے کو منع فرماتا ہے۔ زرد صحافت کے ذریعہ کیا لوگوں کو بلیک میل نہیں کیا جا رہا ہے؟ قرآن سے ہم رہنمائی لینے کے لیے تیار نہیں۔ ہمیں تہذیب حاضر کے چمکتے دمکتے فلسفے زیادہ محبوب ہیں۔ حالانکہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا جس کا مفہوم یہ ہے کہ جس نے قرآن کے سوا کسی اور سے ہدایت حاصل کرنے کی کوشش کی اللہ تعالیٰ اسے گمراہ کر کے چھوڑے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں گمراہیوں سے بچائے اور اس حقیقی اعتدال پسندی کو اپنانے کی توفیق عطا فرمائے جس کی رہنمائی ہمارا دین کرتا ہے نہ کہ مغرب سے درآمد شدہ نام نہاد اعتدال پسند روشن خیالی کو جس کا ہدف دین ومذہب کا جنازہ نکالنا ہے۔ (آمین)

غزہ پر حملہ موت کو دعوت دینا ہے: اسرائیلی آرمی چیف

اسرائیل کے چیف آف آرمی سٹاف گابی اشکنازی نے کہا ہے کہ غزہ کی پٹی پر حملہ کرنا موت کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ اسرائیلی ریڈیو پر گفتگو کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ان کی فوج غزہ کی پٹی پر فوجی جارحیت کرنے کے لئے تیار ہے تاہم انہیں جنگ شروع کرنے کے بعد غزہ سے نکلنا مشکل ہو جائے گا۔ انہوں نے کہا کہ غزہ کے خلاف کارروائی کرنے کا فیصلہ سیاسی قیادت نے کرنا ہے۔

انڈونیشی جزائر خطرے میں

انڈونیشیا 17 ہزار سے زائد جزائر کا مجموعہ ہے۔ لیکن دنیا میں ایندھن کے بے دریغ استعمال سے روز بروز بڑھتے درجہ حرارت کے باعث یہ خطرہ پیدا ہو گیا ہے کہ 2030ء تک ان میں سے دو ہزار جزیرے ڈوب جائیں گے۔ یاد رہے کہ پانچ کروڑ انڈونیشی ایسے جزیروں میں آباد ہیں جو سطح سمندر سے صرف 10 میٹر بلند ہیں۔ اگر سمندروں کی سطح یونہی بلند ہوتی رہی تو 2030ء تا 2050ء کے درمیان وہ اپنے گھروں سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔

بیت المقدس شہر کو الگ کرنا جرم ہے

فلسطینی قانون ساز کونسل نے متفقہ طور پر ایک قانون منظور کیا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ بیت المقدس کو الگ کرنا جرم ہے اور ایسی کوشش کرنے والا جرم کا مرتکب ہوگا۔ فلسطینی قانون ساز کونسل کے اجلاس میں حماس سے تعلق رکھنے والے ارکان نے موبائل فون کے ذریعے شرکت کی۔ فلسطینی قانون ساز کونسل نے اسرائیلی جیلوں میں قید فلسطینی اراکین کونسل کی منظوری پہلے سے حاصل کر لی تھی تاکہ کورم کا مسئلہ نہ بن سکے۔

ملائیشیا میں ہندوؤں کی شرانگیزی

پچھلے دنوں آٹھ ہزار ہندوؤں نے کوالالمپور میں حکومت کے خلاف مظاہرہ کیا۔ ان کا کہنا ہے کہ مسلمان ملائی حکومت ہندوؤں کا استحصال کر رہی ہے۔ یاد رہے کہ ہندو ملائیشیا کی کل آبادی کا 8 فیصد ہیں۔ یہ ان ہندوؤں کی یادگار ہیں جنہیں اٹھارہویں اور انیسویں صدی میں برطانوی ہندوستان اور سری لنکا سے بطور مزدور لائے تھے۔ ان ہندوؤں کے رہنماؤں کا دعویٰ ہے کہ حکومت ان کی ''نسلی صفائی'' میں ملوث ہے۔

وزیراعظم احمد بداوی نے ہندوؤں کے الزامات کو بے بنیاد قرار دیتے ہوئے ان کے رہنماؤں پر الزام لگایا کہ وہ معاشرے میں فرقہ ورانہ نفرت پھیلانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ احمد بداوی نے انکشاف کیا ہے کہ ہندوؤں کی جس تنظیم، ہندراف نے مظاہرہ کرایا، اس کے راشٹریہ سیوک سنگھ اور لبریشن ٹائیگرز آف تامل جیسی جنگجو تنظیموں سے تعلق ہے۔ وزیراعظم نے بتایا: ''ہمیں یہ اطلاع بھی ملی ہے کہ ہندراف ان تنظیموں سے رقم وصول کر رہی ہے تاکہ اس پرامن ملک میں مذہبی نفرت پھیلائی جا سکے۔''

اسرائیلی حکومت کا نیا وار

ایک طرف تو اسرائیلی حکومت فلسطینیوں سے امن قائم کرنے کے سلسلے میں اقدامات کے دعوے کر رہی ہے، تو دوسری طرف اس نے مشرقی بیت المقدس میں تین سو نئے گھروں کی تعمیر کے لیے ٹینڈر طلب کر لیے ہیں۔ یاد رہے، فلسطینی یروشلم کے اس حصے کو اپنا دارالحکومت بنانا چاہتے ہیں۔ تاہم یہودیوں کی کوشش ہے کہ وہ مشرقی بیت المقدس سے مسلمانوں کو نکال کر زیادہ سے زیادہ تعداد میں وہاں آباد ہو سکیں۔

کوسووہ مذاکرات ناکام

پچھلے دنوں کوسووہ مسئلہ حل کرنے کے سلسلے میں اقوام متحدہ کی زیرنگرانی امن مذاکرات ہوئے جو ناکام ہو گئے۔ اس میں عالمی طاقتوں کے نمائندے شریک ہوئے مگر وہ کوسووہ کی آزادی کے سلسلے میں متفق نہیں ہو سکے۔ امریکا اور یورپی یونین کوسووین باشندوں کے حمایتی ہیں جو اپنے وطن کو سربیا کی گرفت سے آزاد دیکھنا چاہتے ہیں۔ لیکن سربیا اور اس کا سرپرست روس انہیں غلام بنا ہی دیکھنا چاہتے ہیں۔

کوسووہ کے نئے صدر ہاشم تقی نے اعلان کر رکھا ہے کہ اگر عالمی طاقتیں متفق نہ ہو سکیں، تو وہ یک طرفہ طور پر اپنے علاقے کی آزادی کا اعلان کر دیں گے۔ پھر دیکھنا یہ ہے کہ سربیا اور روس اس اعلان آزادی کو کس طرح لیں گے۔ گو سربیا کی حکومت نے اعلان کیا ہے کہ وہ کوسووہ پر حملہ کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتی۔

ایرانی ایٹمی منصوبہ منجمند ہے

ایک سرکاری امریکی انٹیلی جنس رپورٹ میں انکشاف کیا گیا ہے کہ ایرانی حکومت نے 2003ء میں ایٹمی ہتھیار بنانے کا منصوبہ ترک کر دیا تھا اور مستقبل میں وہ ایٹم بم بنانے کے قابل نہیں۔ اس رپورٹ نے بین الاقوامی حلقوں میں خاصی ہلچل مچائی ہے کیونکہ امریکیوں کا دعویٰ ہے کہ ایرانی بس دو تین سال میں ایٹم بم بنا لینا چاہتے ہیں۔ اسی پروپیگنڈے کو بروئے کار لا کر انہوں نے ایران پر معاشی پابندیاں بھی لگا دیں۔

اُمید ہے کہ اب اس رپورٹ کے باعث امریکیوں کے اتحادی خصوصاً یورپی یونین کو کچھ ہوش آئے گا۔ یورپی ممالک امریکا کی اندھا دھند تقلید کرنے کے عادی ہو گئے ہیں اور ان کا کچھ تشخص نہیں رہا۔ اسی وجہ سے امریکا دنیا کا چودھری بن بیٹھا۔

صحافی کی جان کو خطرہ

کچھ عرصہ قبل بھارتی میگزین، تہلکہ سے منسلک ایک صحافی، اشیش کھیتان نے گجرات میں مسلمانوں کے قتل عام پر چونکا دینے والی رپورٹ مرتب کی تھی۔ اس نے اپنی جان خطرے میں ڈالی اور ان ہندو غنڈوں اور انتہاپسندوں سے انٹرویو کیے جنہوں نے ان گنت مسلمان شہید کیے تھے اور خواتین کی بے حرمتی کی تھی۔

اب اشیش کو خطرہ ہے کہ کوئی ہندو انتہاپسند اس کی جان لے سکتا ہے۔ اس کا کہنا ہے ''میری رپورٹ نے کئی ہندوؤں کو ناراض کر دیا ہے۔ مجھے کئی دھمکی آمیز ای میلیں ملی ہیں۔ حتیٰ کہ صحافیوں نے بھی یہ رپورٹ شائع کرنے پر مجھے لتاڑا ہے۔'' اشیش مزید کہتا ہے ''مجھے گجرات میں عام (ہندو) گجراتی کا رویہ دیکھ کر بہت صدمہ ہوا۔ انہیں کسی قسم کی شرمندگی نہیں اور نہ ہی پچھتاوا۔ وہ سمجھتے ہیں کہ مسلمان کے ساتھ صحیح ہی ہوا۔ اس بات سے پتا چلتا ہے کہ انتہاپسند ہندو جماعتوں نے عام بھارتی کا ذہن کتنا زہرآلود کر دیا ہے۔''

فلپائنی حکومت اور مسلمانوں میں معاہدہ

اخباری اطلاع کے مطابق فلپائنی حکومت اور مورو اسلامک لبریشن فرنٹ کے درمیان امن معاہدہ اگلے سال کے اوائل میں اپنی تکمیل کو پہنچ سکتا ہے۔ یاد رہے، 2003ء میں دونوں کے مابین اس امر پر امن معاہدہ ہوا تھا کہ قانونی اور آئینی رکاوٹیں دور کرنے کے بعد جزیرہ منڈناؤ کو خودمختاری دے دی جائے گی۔ یہ جزیرہ تیس لاکھ مسلمانوں کا مسکن ہے۔ فلپائنی مسلمان کئی برس سے اپنی آزادی کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ پچھلی فلپائنی حکومتوں کے ساتھ ان کے خونریز تصادم ہوئے جن میں ایک لاکھ سے زائد افراد مارے گئے۔ نیز بیس لاکھ افراد ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے۔ فرنٹ کے رہنماؤں کو یقین ہے کہ اگلے سال انہیں مطلوبہ خودمختاری حاصل ہو جائے گی۔

بقیہ: ڈسپلن

اور عملی شکل میں اسلامی نظامِ حیات لوگوں کے سامنے ظاہر نہ ہوتا۔

ان حکمتوں کے علاوہ مزید حکمتیں بھی ہوں گی۔ نہ ہمیں اس بات پر اصرار ہے کہ حکمتیں صرف وہی تھیں جو ہم نے بیان کی ہیں اور نہ ہی اس سے انکار ہے کہ ان کے علاوہ کوئی اور حکمت نہیں ہے۔ اس لیے کہ ہمارا علم ناقص ہے جبکہ ہمارے علیم وحکیم مولیٰ کا علم ایسا کامل ہے کہ اس کی کوئی حد ہی نہیں۔ ہمیں بتانا صرف یہ تھا کہ اسلام میں ظاہری اسباب اور تعلیم وتربیت کے بنیادی تقاضوں سے چشم پوشی کی گئی اور نہ ہی ہمیں چشم پوشی کی اجازت دی گئی ہے۔ اسلام کے ابتدائی دور میں ہاتھ اُٹھانے کی اجازت اس وقت دی گئی ہے جب مسلمانوں کو ایک محفوظ مرکز میسر آ گیا۔ مناسب تعداد میں افراد مہیا ہوئے اور ان کی ذہنی، عملی اور اخلاقی تربیت کا حق ادا کرلیا گیا۔ ان میں سے اکثر جور وجفا کی بھٹی سے کندن بن کر نکلے تھے اور ڈسپن کے سانچے میں ڈھلے ہوئے تھے۔

اگر آج ہم بھی کفر والحاد سے معرکہ آرائی کا جذبہ دل میں رکھتے ہیں تو ہمیں بھی تعلیم وتربیت کے سارے تقاضے پورے کرنے ہوں گے اور اپنے ہم خیال دوستوں کو ڈسپلن کا عادی بنانا ہوگا۔ جبکہ مسلسل دیکھنے میں یہ آ رہا ہے کہ جوشیلے بیانات اور جذباتی نعرے سننے کے بعد کارکن کنٹرول میں نہیں رہتے۔ ان کے ہاتھوں گھیراؤ جلاؤ اور توڑ پھوڑ سب کچھ ہوسکتا ہے۔ انہیں اشتعال دلانے والے لیڈرانِ کرام چیختے چلاتے رہ جاتے ہیں مگر وہ پھر کسی کے قابو میں نہیں رہتے بلکہ عین ممکن ہے کہ بھرے ہوئے یہ جیالے خود اپنے لیڈروں کو بھی سامراج کا پٹھو اور انقلاب کے راستے میں رکاوٹ سمجھ کر اسی پر چاند ماری شروع کردیں۔ مختصر یہ کہ اگر ہم ڈسپلن اور تعلیم وتربیت میں غلطیاں کرتے رہے اور اپنی استعداد کا اندازہ لگانے میں ٹھوکریں کھاتے رہے تو حوادث اور سانحات جنم لیتے رہیں گے جیسے کہ جنم لے رہے ہیں۔

❁ قربانی ہماری معاشرتی رسم ہے یا دینی فریضہ؟

❁ قرآن وسنت کی روشنی میں قربانی کا فلسفہ کیا ہے؟

❁ عیدالاضحیٰ اور قربانی میں باہم چولی دامن کا ساتھ کیوں ہے؟

❁ حج کے موقع پر منیٰ میں کی جانے والی قربانی اور اس موقع پر پوری دنیا میں کی جانے والی قربانی میں کیا ربط وتعلق ہے؟

ان سوالات کی وضاحت کے لیے مطالعہ کیجئے:

عیدالاضحیٰ اور فلسفہ قربانی

اور

حج اور عیدالاضحیٰ اور اُن کی اصل روح

قرآن حکیم کے آئینے میں

ڈاکٹر اسرار احمد

کی ایک تقریر اور ایک تحریر پر مشتمل مختصر مگر جامع کتابچہ

قیمت اشاعت خاص: 20 روپے ' اشاعتِ عام: 12 روپے

(علاوہ ڈاک خرچ)

مکتبہ خدام القرآن لاہور 36۔کے ماڈل ٹاؤن لاہور فون 03-5869501

you-know-what gushing in by the globule; in which state we shall remain unless our political parties get up off their hands and do something about it. Which is to see the back of Musharraf as soon as possible?

The only way to do this, let me repeat myself, is by isolating him completely by boycotting the elections. With the larger of the parties sitting outside the assemblies the whole edifice will come crashing down under its own weight before you can say "Charlie's Aunt"!

The politicians must beware that if they don't stick together the Establishment will neuter them one by one. And that to be seen as furthering Musharraf's (read Army's) agenda is pure poison: are you listening Benazir Bhutto? You are the key.

By the way, Ghazala Minallah, daughter of that brave and good judge, Ghulam Safdar Shah, has written you an open letter. I wept when I read it, for I was one of those who saw ZAB's peerless defence of himself in the Supreme Court and well remember an occasion when Justice Safdar Shah could not control his emotions and actually brushed a tear from his eye. Personalities do matter, Ms. Bhutto! As your good father's did.

Bushism of the Week: "I'm occasionally reading, I want you to know, in the second term." – President George W. Bush; Washington D.C., March 16, 2005

P.S. May I once again register my dismay and outrage at Aitzaz Ahsan's and Justice Tariq Mehmood's and Ali Ahmed Kurd's continued detentions? Shame on you, Dubya; shame on you, America!

kshafi1@yahoo.co.uk

(Courtesy: Daily Dawn)

Vol: 16 Regd. No. LRL -50 No. 45

Weekly Nida-e-Khilafat Lahore

View Point

By Kamran Shafi

Farce after farce after farce...

THIS is how the Es of the Five-E-Manifesto of the Peoples Party are placed presently: Employment, Education, Energy, Environment, Equality. Er, should the E denoting Equality not have been the first?

I mean, it was Zulfikar Ali Bhutto's espousal of the rights of the poor and the dispossessed (read EQUALITY) that 30 years after his judicial murder they are still propelled towards the PPP's ballot boxes, innit?

I am a soldier too: to put it in perspective, six courses junior to Musharraf and twenty-something senior to the new COAS. I hang my head in shame at the farce that the nation was subjected to in the name of the 'handing over of command' of the Pakistan Army.

Not only were the drill movements of the parading troops out of sync, they were so exaggerated and embellished with silly additions that it seemed as if it was the Martian Army drilling badly, not the one I knew and loved.

Far more than this, where in the world does army command change with such pomp and circumstance, military parades and such like? Where in the world, indeed, does the outgoing army chief ceremonially present his successor with an item that is part of his uniform (the Malacca cane is part of the uniform of General Officers of the Pakistan Army)? Did Musharraf also give Kayani a pair of black woollen socks?

This was just one COAS handing over, albeit after nine long years instead of the usual three in most civilised countries, to his successor. This was hardly an emperor handing over the orb and sceptre to his successor. (Or was it?!)

From what I know and have seen in my many years, change of army command is a simple, graceful, quiet affair: at the end of his last working day the outgoing chief inspects a guard of honour drawn up outside his office in GHQ and is seen into his car by the principal staff officers (PSOs) to drive off home.

The next day, the new chief comes to GHQ, is received by the PSOs, inspects the guard of honour, and goes into his office. End of story.

But, as my readers well know, we are a quite unique people and we do quite unique things, even if they make us look silly to the rest of the world. Which can go hang itself as far as our Commando is concerned, for according to himself during his speech at his 'swearing-in' as 'civilian president' it took the West centuries to get where they are in respect of better human rights, more civil liberties and democracy, and they want us to get there in a few months or a few years? Idiots, these Westerners.

May I here and now suggest to those of my friends who are demanding the rule of law and constitution, and freedom for the media, to prepare for the worst. While I feel in my very bones that the law will reign supreme in the near future, Musharraf or no Musharraf, I know too that the brutal state will become more brutal still.

What Musharraf said was not without reason – he wants to tell us that even if one of his celebrated skins is off, he is still very much the Commando. (Note please, that this was written on Nov 29; the papers on Dec 1 quoted Musharraf saying he would not allow anti-election protests.)

It was sad, nay pathetic, to yet again see him badmouth My Lord Iftikhar Chaudhry, this time on the day of his so-called swearing-in, an occasion that he could and should have used to send a message of reconciliation to the country at large.

But no. Pervez Musharraf, the perennial juvenile (please, please read his book I beg you, to really get an idea of the extent of the trouble we are in) kept to his combative and macho best, casting aside any gentlemanly attributes such as not hitting a man who (and his family) has/have already been pummelled mercilessly using naked and vicious State power.

The "former Chief Justice was derailing democracy as part of a well-planned conspiracy" Musharraf said in his petulant diatribe; and further that if he hadn't acted decisively "chaos, destruction and break down" would have resulted in the rest of the country as it had in Swat. Really?

The Chief Justice was responsible for the ineptness and the lackadaisical attitude of the government atop which sat/sits Pervez Musharraf during all the time that it did not react to what was happening in Swat? He must really think we are a bunch of idiots!

Which reminds me: judging from the levity writ large on the Frontier Caretaker CM's visage at Musharraf's swearing-in everything seems hunky dory in the province. I mean, one could almost hear the man guffawing.

We are up the proverbial creek my friends, in a very leaky boat with